جسٹرڈ ایل نمبر ۶۹۳۹
ادب، سیاست اور معاشیات کا مرقع
ماہنامہ
شکر گنج
لاہور
ادارۂ تحریر
رحمٰن مذنب * سید ذاکر حسین شہدی
مقام اشاعت
رائل پارک لاہور
قیمت
فی پرچہ ۔ ۶ آنے * سالانہ چندہ ۔ صہ

ادب، سیاست اور معاشیات کا مرقع

نگران
سید ذاکر حسین مشہدی

ادارہ تحریر
رحمٰن مذنب
سید ذاکر حسین مشہدی

ماہنامہ شکر گنج لاہور

بابت ماہ نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء

جلد — نمبر ۶

شمارہ — نمبر ۱۱و۱۲

فہرست

باہتمام میر فضل علیشاہ پرنٹر پبلشر نے عالمگیر پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر شکر گنج میکلوڈ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

ماہوار رسالہ
شکر گنج
لاہور

راشٹریہ سیوا سنگ

کافی عرصہ سے راشٹریہ سیوا سنگ کا ذکر اخبارات میں آرہا ہے۔ اس فسطائی جماعت کی امن سوز سرگرمیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ ان کی پراسرار نقل و حرکت، ملک کے امن کے لئے مستقل خطرے کی شکل اختیار کئے جارہی ہے۔ رات کی تاریکیوں میں جھنڈے کی سلامی۔ اور پریڈ خطرناک اور مہیب قسم کے ہتھیاروں سے اپنے آپ کو ملبس رکھنا۔ فرقہ دارانہ فسادات کو شروع کرنے کے لئے ہر لحظہ تیار رہنا غرض بالکل نازی جرمنی کی طرح یہ جابرانہ تحریک ہر عزت دار اور امن پسند شہری کے لئے خوف و ہراس کا سامان مہیا کر رہی ہے، آیئے ہم آج اپنے قارئین کو اس جابرانہ اور فسطائی تحریک کا کچھ پس منظر اور کچھ اس کی حالیہ شکل بتا دیں۔

یہ تحریک مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی جذبہ کو ختم کرنے کے لئے ناگپور (سی۔پی) میں وجود میں آئی تھی۔ ان کا نعرہ ہے ہندی۔ ہندو۔ ہندوستان یعنی ملک ہندوستان ہمارا ہے اس میں صرف ہندو رہ سکتے ہیں اور ہماری زبان ہندی ہوگی۔ اس کے علاوہ جو کوئی بھی اس ملک میں رہنا چاہے گا۔ اسے ہندوؤں کا اجیر بن کر رہنا ہوگا۔ طاقت ہی ایسا حربہ ہے جس سے ہم ہر طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو ہندوستان کے صفحہ سے کالعدم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہندو طاقتور بنیں۔ آتشگیر مادوں۔ بموں۔ اسلحہ سے مسلح رہ کر ہم مسلمانوں کو ختم کر سکتے ہیں۔ یہ ہیں وہ عزائم جن کو پیش نظر رکھ کر سنگ دن رات پراسرار طور پر ترقی کر رہا ہے۔

جب سے ملک کی فرقہ دارانہ فضا مکدر ہوئی ہے سنگ والوں نے وہ اودھم مچایا ہے۔ کہ انسانیت لرز کر رہ گئی ہے بہار کے ہر زہ گداز واقعات ہندوستانی تہذیب و تمدن کے روشن ماتھے پہ کلنک بن کر رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ اور اس انسانیت سوز ڈرامے کے ہیرو ہمارے راشٹریہ سیوا سنگ کے سپوت کہلاتے رہیں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا حکومت ہند اور ہمارے اس اداریہ کی مخاطب حکومت پنجاب خاموش رہ کر اس متوازی جماعت کی امن سوز سرگرمیوں کے فروغ میں معاون رہے گی۔ یا امن عامہ کی دعویدار کولیشن وزارت اس نازی جماعت کی سرکوبی کیلئے میدان میں آئے گی۔

خاکسار تحریک ایک بے ضرر تحریک تھی۔ صرف قواعد کرنا اور وہ بھی منظر عام پر یہی چیز حکومت پنجاب کو نہ

جماعتی ادارے فسطائی تحریک قرار دے کر کچل دیا گیا کیا وہ حکومت پنجاب آج بالکل حالات سے بے خبر ہو چکی ہے۔ یا اس کے سامنے ایسی روپہلی مصلحتیں ہیں۔ کہ جو سیوا سنگ جیسی وحشیانہ تحریک کو دیکھ رہی ہے۔ اور خاموش ہے۔ خاکساروں کا بیلچہ لے کر چلنا اسے گوارا نہیں تھا۔ اور دن دہاڑے گولیوں کی بوچھاڑ سے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مگر وہ جماعت جو بالکل نازی جرمنی کے اصولوں پر طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ملک میں قتل عام جاری رکھنے کے لئے اور فرقہ وارانہ فضا کو خراب کرنے کے لئے میدان میں نکل چکی ہے۔ جس کے پاس ایسے ہتھیار ہیں کہ ایک شخص ہاتھ میں سپرنگ دار آلہ رکھ کر اس کا بٹن دبا کر اپنے سامنے ۱۰۰ فٹ تک درخت میں بھی سوراخ کر سکتا ہے اور وہی سپرنگ اس کے پاس واپس آ سکتا ہے۔ اور اس طرح اکیلا شخص سینکڑوں آدمیوں کو گھائل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی کے انڈوں میں ایسے کیمیاوی اجزا جمع کئے ہیں کہ جو خاندانوں کی تباہی کا موجب ہو سکتے ہیں دستی بم۔ تیز دھار کے آلے۔ غرض ایسی بے شمار خلاف قانون اشیا کو اپنے قبضہ میں رکھ کر یہ گروہ کھلے بندوں کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کو بے نقط گالیاں دیتا پھرتا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو جب بہار میں جا کر فسادات روکنے کی تقریر کرتے ہیں تو اس گروہ کے من چلے سورمے ان کی ٹوپی تک پاؤں میں روند دیتے ہیں۔ یہاں لاہور کے دفتروں میں کام کرنے والے کلرک علی الاعلان مسلمانوں کو گالیاں دیتے ہیں اور ملک کے سیاسی رہنماؤں کو مغلظات سناتے رہتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں راتوں رات ایک شہر سے دوسرے شہر میں گشت لگاتے پھرتے ہیں اور اسی طریق سے فضا میں خوف و ہراس پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ کیا حکومت پنجاب ان سب واقعات سے بے خبر ہے یا اس کی مجبوریاں ہی ایسی ہیں۔ کہ ان شور بیروں کے مقابلہ کی اس میں تاب نہیں سارا زور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کے ہاتھوں اختیارات کی تلوار دینے تک بس ہے۔ اگر حکومت پنجاب ان واقعات سے بے خبر نہیں تو کیا ہم وزیر اعظم ملک خضر حیات صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا ان کی اسلام دوستی صرف مسلم لیگ کی مخالفت اور مسلم نیشنل گارڈ کی وردی پر پابندیاں عائد کرنے تک ہی ہے یا یہ کہ امن وامان کی حفاظت بھی۔ اگر ان کا جواب یہ ہے کہ وہ سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر صوبہ میں امن اور چین چاہتے ہیں تو وہ کیوں راشٹریہ سیوا سنگ کو خلاف قانون قرار دے کر اس کے ممبروں کے گھروں کی تلاشی کے احکام جاری نہیں کرتے۔ جہاں سے انہیں اس قدر اسلحہ ہاتھ آئے گا کہ حکومت کے لئے لاکھوں روپوں کی بچت ہو سکے گی۔

ہم پنجاب کے ہندو اور مسلمان عوام سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ صوبہ کے امن کے لئے میدان میں نکلیں اور ایسی خوفناک تحریک کو دبانے کے لئے ہمارا ساتھ دیں۔ آج زمانہ جمہوریت کا ہے۔ نازی ازم جرمنی کی خاک میں دفن ہو کر رہ گئی ہے اور اس آگ کی اس چنگاری کو جو ہندوستان میں سلگ رہی ہے باہم مل کر دبا دیں تاکہ جس طرح جرمنی کی نازی ازم نے دنیا کے امن کو تہ و بالا کیا تھا یہ چنگاری ہمارے ملک کے امن اور چین کو برباد نہ کر سکے۔ آج زمانہ بیلچہ دیکھنے کا نہیں ہے۔ بلکہ اصولوں کی جانچ پڑتال کا ہے۔ اگر خاکسار تحریک کو ختم کیا جا سکتا ہے تو کیوں اس سے لاکھ درجہ خطرناک تحریک راشٹریہ سیوا سنگ کا قلع قمع نہیں کیا جا سکتا۔

تجارت اور مسلمان

پاکستان کا نعرہ بہت دیر تک فضا میں ہی گونجتا رہا۔ اور عام مسلمانوں نے سمجھا کہ محض سیاسی جد و جہد سے پاکستان حاصل ہو جاوے گا۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی قوم اس وقت تک اپنے مقصد کو پا نہیں سکتی جب تک اس کی اقتصادی حالت مضبوط نہ ہو۔ دوسری طرف انہوں نے برادران وطن کا تجارتی فروغ دیکھا۔ انگریز سرمایہ دار اور ہندو سرمایہ دار کے گٹھ جوڑ نے جو فضا ملک کے اندر پیدا کی۔ وزارتی مشن کی ہندوستان میں آمد اور وزارتی مشن کی سکیم کے سلسلے میں برطانوی حکومت کی بدعہدی کو دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ جب تک ملک کی اقتصادیات پر ہمارا قبضہ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک دوسری قومیں ہماری طاقت کو تسلیم نہیں کریں گی۔ چنانچہ آج مسلمان بحیثیت القوم تجارت کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے سرمایہ دار مسلمان کچھ پہلے ہی سے تجارت میں تھے اب اور ترقی کر رہے ہیں۔ مگر ہماری مشکلات کا حل چند بڑے بڑے کارخانہ داروں کے مزید کارخانے قائم کرنے میں نہیں بلکہ عام مسلمان جب تک تجارت میں پورے زور شور سے نہیں داخل ہوتا اس وقت تک ہماری قوم غریب ہی رہے گی۔

سرمایہ دار خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔ مزدور کے حقوق کا غاصب ہی رہے گا۔ اس کی ہمدردی بیاست اپنی ذاتی تجارت کے فروغ تک ہی محدود رہے گی اور قوم کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ مشکلات کا شکار ہی رہیں گے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ عام مسلمان جائنٹ سٹاک کمپنیاں کھولیں۔

محنتی۔ تجربہ کار اور مخلص لوگ آگے آئیں۔ اقتصادی بنیادوں پر مضبوط کمپنیوں کو فروغ دیں۔ بے کار مسلمان بھائیوں کو کام پر لگائیں۔ ان کے لئے عمدہ رہائشی انتظامات کریں۔ اُجرتوں میں اضافہ اور مزدوروں کے بچوں کے لئے تعلیم و حفظان صحت کے انتظامات کریں۔ اور اس طرح باہمی تجارت کو فروغ دے کر پاکستان کی منزل کو قریب لا دیں۔ صرف اونچے طبقہ کے لوگوں کی طرف دیکھتے رہنا اور ان کے ذاتی و شخصی کارخانوں یا ملوں میں کام کرنے سے نہ تو قوم کی غریبی میں کمی آ سکتی ہے اور نہ مزدوروں کی سماجی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔

ہمیں یہاں اس امر کے اظہار سے بھی مسرت ہوتی ہے۔ کہ کچھ مخلص اور تجربہ کار لوگوں نے تجارت کے اس نئے دور کی ابتدا کر دی ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ایسی کمپنیوں کے حصے خود بھی خریدیں۔ اور عام مسلمانوں کو اس طرف ترغیب دیں تاکہ ہم بھی چند سال تک ہمسایہ قوم کا ہمسر ہونے کا دعوےٰ کر سکیں۔ غریبی۔ ایمان۔ مذہب۔ غیرت اور عزت کی دشمن ہوا کرتی ہے۔

ادارہ

مسلم لیگی کارکنوں کا مستقبل

قومی تحریکوں میں ریڑھ کی ہڈی مخلص کارکن ہوا کرتے ہیں۔ تحریکوں کو زندگی بخشنے والے۔ لیڈروں اور عوام میں رابطہ پیدا کرنے والے۔ نعروں کو عملی جامہ پہنانے والے اور سیاست میں صحیح مدوجزر پیدا کرنے والے کارکن ہی ہوا کرتے ہیں۔

جب ہم مسلم لیگ کی موجودہ سیاست کو دیکھتے ہیں اور پچھلے دو سالوں کی جدوجہد پر بھی نگاہ ڈالتے ہیں لیڈروں اور عوام کے تعلقات پر غور کرتے ہیں۔ تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر مسلمان نوجوان نہ ہوتے تو مسلم لیگ کبھی ۱۹۴۶ء کی انقلابی مسلم لیگ نہ بن سکتی۔

ہمارے انتھک اور مخلص قومی کارکنوں نے تحریک میں جوش پیدا کیا۔ پاکستان کا نعرہ ایک ایک مسلمان تک پہنچایا اور رجعت پسندوں کو ترقی پسند بنایا۔ لیکن جب انتخابات جیتے جا چکے۔ نوابوں وزیرزادوں اور سرمایہ داروں کو اسمبلی کی ممبریاں مل گئیں۔ آئین ساز اسمبلی کی ممبریاں تقسیم کی جا چکیں۔ مسلم لیگ کے عہدے بانٹ لئے گئے۔ عارضی حکومت میں وزارتیں مل چکیں۔ تو ان خاندانی نوابوں، سر اور خان بہادر زادوں نے مسلم لیگ کی تنظیم کو وراثت سمجھ کر کارکنوں سے ہتک آمیز سلوک روا رکھنا شروع کر دیا ہے۔ مسلم لیگ کے انتخابات ملتوی ہو چکے ہیں۔ مگر صدارت کے عہدہ کے بھوکے سیاسی بازیگر ابھی سے اپنے چیلے چانٹوں کو تنظیم پر قابض بنا رہے ہیں۔ وہ نوجوان مسلم لیگی کارکن جنہوں نے ملت کی خدمت کی خاطر۔ کاروبار۔ ملازمتوں۔ جاہ و منصب کو لات ماری اور اسلام کی سربلندی کیلئے عملی میدان میں آ گئے جنہوں نے دن رات ایک کر کے تنظیم میں یکرنگی اور مضبوطی پیدا کی۔ آج ان کو ذاتی ملازم سمجھ کر نادرشاہی احکام دیئے جا رہے ہیں۔ اسلامی مساوات کا خون کر کے ڈکٹیٹرشپ قائم کرنے کی کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔ خود غرض۔ ایلچی۔ اسمبلی کی ممبری کے خواب دیکھنے والوں کو اپنے ارد گرد جمع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اصلی کارکنوں کو نکال کر باہر کیا جائے اور مسلم لیگ کی ساری تنظیم پر یہ غاصب فائز کر دیئے جائیں۔

پنجاب میں ایک انقلاب رونما ہونے کو ہے۔ ذاتی اغراض رکھنے والے نمائشی لیڈر ننگے ہو رہے ہیں۔ غریبوں اور کسانوں کو غلام۔ ڈکٹیٹر ہیری کہنے میں مسلم لیگ کی تنظیم سے دور کرنے کے ارادے ظاہر کئے جا رہے ہیں۔ اور مسلم لیگ کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنے حواریوں کے ہاتھوں میں دینے کی کوششیں تیزی سے شروع ہیں بہت جلد ہمارے پنجاب کے قومی کارکنوں کو بیک بینی و دوگوش تنظیم سے نکال باہر کیا جائیگا اور بالکل ہٹلری انداز میں خود غرض لیڈر اپنے گٹھ کے مصاحبوں کو آگے لے آئیں گے۔

ہم سارے پنجاب کے ایماندار۔ حق گو اور دلیر مسلم لیگی کارکنوں کو بروقت انتباہ دیتے ہیں۔ کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔ مرکز میں حکومت خوردہ لوئینسٹ لیگی جا مے ہیں کہ مذہب کا نام لے کر اٹھ رہے ہیں۔

اور افراتفری پیدا کرکے اپنے اصلی دشمن مخلص لیگی کارکنوں کو تنظیم سے باہر نکالنے کے لئے اپنے گوروؤں سے سازباز کر رہے ہیں۔

خدا کیلئے ہوشیار ہو جائیے۔ پنجاب مسلم لیگ کی صدارت پر قبضہ کرنے کے لئے۔۔۔۔ خطرناک قسم کی جوڑتوڑ کی جا رہی ہے۔ کسی سرمایہ دار لیڈر سے مدد کی توقع نہ رکھنی چاہیئے بلکہ کارکن کو کارکن کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لینا چاہیئے۔ کارکن قوم کا قیمتی سرمایہ ہوا کرتے ہیں۔ اس سرمایہ کو چور چرانے والے ہیں۔ آپ اس انتباہ کو پوری توجہ دیں۔ وقت آنے پر ایسے خطرناک لوگوں کے چہروں سے نقاب اٹھا دیئے جائیں گے۔

اگر ہم غافل رہے تو ۱۹۴۶ء کی مسلم لیگ پھر سے سر سکندر کے وقت کی مسلم لیگ بن کر رہ جائیگی جس پر رشوت خوروں۔ رجعت پسندوں۔ خودغرض ٹوڈیوں کا قبضہ ہوگا۔ اور مسلم لیگی کارکن مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔

ہمارے عزائم

ہمارے قارئین یہ پڑھ کر خوش ہوں گے۔ کہ رسالہ شکر گنج اپنے دورِ جدید میں داخل ہو رہا ہے۔

(۱) اس کے چلانے کے لئے میں نے مسٹر ذاکر حسین مشہدی ——— اور مسٹر آر۔ ایچ شاہ سے اشتراک کر لیا ہے۔ اور اس رسالہ کو باقاعدگی اور نئی شان سے چلانے کے تمام انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔

---

(۲) رسالہ کی معنوی و صوری خوبیوں کے متعلق اتنا کہنا ہی کافی ہے۔ کہ ہم ٹائیٹل کو اگلے ماہ سے انتہائی حد تک دیدہ زیب بنا دیں گے۔ جونہی پریس کے انتظام بہتر ہو نگے تو حجم بھی کم کر دیا جائیگا۔ عنوانات کی ترتیب اس نکتہ نظر سے کی جائے گی کہ سیاسی مواد کے علاوہ علمی۔ مذہبی۔ ادبی۔ صنعتی اور خواتین اور بچوں کے متعلق چیزیں بھی آ جائیں۔

آپ کا تعاون ہی ہمارے عزائم کی تکمیل کا ضامن ہے۔ اس کی اشاعت کی توسیع رسالہ کی بہتری کی دلیل ہے۔

(پیر فضل علیشاہ)

پر آتی جاتی دکھائی دیتی ہیں۔ آج غریب کسانوں کی آہوں میں اثر دکھائی دے رہا ہے۔ آج کارکنوں کو پچھاڑ نے کے منصوبے خاک میں ملتے دکھائی دے رہے ہیں۔ آج سیاسی مداریوں کے ہتھکنڈے بیکار ہوتے نظر آرہے ہیں۔ کیوں

اس لئے کہ

پنجاب کا ایک ایک مسلمان پاکستان کے لئے قربان ہونے کو مضطرب ہو رہا ہے۔ وہ نظام حکومت بدلنا چاہتا ہے۔ وہ سماجی ادوار بدلنا چاہتا ہے وہ موجودہ اقتصادی نظام میں انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے وہ میں اور تو کے امتیازات کو ختم کرنا چاہتا ہے وہ محنت اور مزدوری کا پورا پورا صلہ چاہتا ہے۔ وہ زبانی وعدوں اور عملی کام میں تفاوت سے آگاہ ہو چکا ہے۔ آج اسلامی پرچم جیند لنڈا لیوں، خان بہادروں یا ٹھیکہ داروں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے۔ آج ہر بڑا بوڑھا۔ بچہ اور جوان مسلمان سمجھ چکا ہے کہ اسلام کا ہلالی پرچم ہر مسلمان کی میراث ہے جو اسے رسول عربی صلے علیہ و آلہ وسلم سے ملا ہے۔ آج زمین سے آسمان تک پاکستان زندہ باد مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے گونج رہے ہیں۔ آج زندگی زندگی بن چکی ہے۔ حقیقت حقیقت کا جامہ پہن چکی ہے۔ امیری غریبی کے قدموں میں جھکنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ زمینداری کسانوں کے دوارے کے چکر لگانے پر مجبور ہو رہی ہے سماج اپنا نظام بدل رہا ہے مسلم ریاست کے نئے مدوجزر پرانے بتوں کو بہا لے جا رہے ہیں اور وقت صاف نظر آرہا ہے جب کام کرنے والوں کو صلہ ملے گا۔ اور ہم مسلم لیگی مخلص کارکنوں کو یہ نوید دیتے ہیں کہ وقت دور نہیں جب آپ کی قدر قوم پہچانے گی اور آپ پر الزام لگانے والے اپنی کیفر کردار کو پہنچ جائینگے

مسلمانوں کا
واحد
نمائندہ

ماہنامہ شکر گنج کا مطالعہ
کرنا ہر مسلمان کا
فرض اوّلین ہے

اناج ۔ شکایت آئی ہے کہ تحصیل پھالیہ (گجرات) میں عوام کو گندم اس کمیابی اور بڑھے چڑھے بھاؤ سے ملتی ہے کہ یہ ان کی بساط سے کہیں زیادہ ہے۔ امرا کا ذکر نہیں لیکن غربا کے لئے یہ قلت کی موت ہے جو انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے مقامی حکام کا پہلا فرض ہے کہ وہ عوام کی خوراکی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھیں۔

ادارہ :-

مِلّتِ اسلامیہ کا نیا دَور

(پاکستان کے اِقتصادی انقلاب کی تفصیل)

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے
اقبالؒ

از قلم:—
رحمٰن مُذنِب

نوٹ:- یہ مضمون "احسان" کی ۳۰ اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۶ء کی اشاعتوں میں عزیز عصری کے نام سے چھپا ہے۔ یہ میرا ہی نام ہے جسے میں نے مصلحتاً ترک کیا ہے۔ اِس مضمون کو وقت کی اہم ضرورت کے باعث دوبارہ پیش کیا جاتا ہے۔ (رحمٰن مُذنِب)

جب انگریز ہندوستان میں آیا تو اس نے مغلی تاجداروں سے تجارتی مراعات مانگیں! یہ مراعات اسے مل گئیں اس نے ساحلی علاقوں میں تجارتی مرکز قائم کئے اور ملک کے طول و عرض میں اپنے لئے اقتصادی اقتدار کی راہیں پیدا کرنے لگا۔ جوں جوں اس کی تجارت بڑھتی گئی توں توں زر بازار اس کے اختیار میں آتا گیا۔ اس کی طاقت میں اضافے کی صورت نکل آئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے ملک کی سیاسی بساط پر اپنے مہرے جما دیئے۔ اس نے تجارتی رسوخ سے اپنا عسکری نظام مرتب کیا اور وہ مغلوں کے مقابلے پر آ ڈٹا۔ اس نے حکومت وقت کو کھوکھلا کر دیا اب انگریز کی تجارتی سیاست بے کھٹکے پروان چڑھنے لگی—

رفتہ رفتہ دلی دربار کی شان بے نشان ہوگئی ہندوستان پر انگریز کا سیاسی اور اقتصادی تسلط ہو گیا۔ لال قلعے پر یونین جیک لہرانے لگا۔ انگریز نے کمال بے دردی سے مسلمان کو نیم جان کیا — اس کی اسپرٹ، اس کا کلچر اور اس کا نظامِ تعلیم نیست و نابود کیا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ مسلمان بے باک اور جری ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے نہایت ہوشمندی سے اپنی ثقافت، اپنی تعلیم اور اپنے اخلاق کو تدریج دیکر مسلمان سے اس کی بے باکی اور جرأت چھین لی۔ اب مسلمان بے دست و پا ہو کر رہ گیا۔ تخت گیا۔ تاج گیا، نام گیا۔ ناموس گئی ۔۔۔

دھندہ کہ مانگ کے پانی نہ کر تَنی مجھکو
یہ مفلسی ہے تیمم کو گھر میں خاک نہیں

مسلمان حاکمیت کے درجے سے گر کر محکومیت کے درجے پر پہونچ گیا۔ ادھر یورپ میں کلوں کا دور شروع ہوا۔ تجارت کا دائرہ پہلے سے کہیں زیادہ وسیع ہونے لگا— دستکاریاں معدوم کر دی گئیں اور کلوں کی ساختہ اشیاء منڈی میں آگئیں۔ انگریز نے وطنی مال کی کھپت کے لئے ہندوستان کو اپنی منڈی بنایا اور امپیریل پریفرنس (IMPERIAL PREFERENCE) یعنی جبری ترجیح قانون سے ہر ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اقتصادی مفاد کے تحفظ

کی خاطر حکومت کی باگ ڈور بھی سنبھال لی۔ مسلمان غلام بن گیا۔

مسلمان کا غلام بننا اچنبھے کی بات تھی کیونکہ مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے دنیا میں آیا تھا نہ کہ خود غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈالنے کے لئے۔ مسلمان غلامی کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ وہ غلامی کا عادی نہ تھا۔ وہ آزاد رہتا تھا۔ غلامی اس کی زندگی کا پہلا غمگین ترین واقعہ تھا۔ اس واقعہ نے اس کی بے مثال روایات اور درخشاں تاریخ میں بدنما اضافہ کیا۔ جیسے اس نے عملی محرکات میں لپیٹ لیا اور جیسے اس نے عقل سے عاری دیکھا اس کا آقا بنا۔ مسلمان کے ساتھ اس کے کروڑ دوں غلام انگریز کی اطاعت میں آ گئے۔

انگریز نے بڑا بانٹ کے اصول پر عمل کیا۔ اس نے دونوں غلاموں میں پھوٹ ڈالی۔ ہندو مسلمان باہم الجھنے لگے۔ دونوں کے درمیان اختلافات کی خلیج مذہبی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے وسیع ہوتی گئی۔ وہ حقیقی اتفاق اور قومی مفاہمت جسے مسلمان نے اپنی ابتدائی کے عہد میں اپنی رواداری، دوراندیشی اور فراخدلی کے باعث کالعدم کئے رکھا تھا رفتہ رفتہ ابھر آئی اور اتنی نمایاں ہو گئی کہ اس پر قابو نہ پایا جا سکا۔

مسلمان کے انتقامی جذبہ، ثقافتی اور مذہبی تفاوت نے اسے مغربیت سے بدظن کئے رکھا۔ اس نے انگریز کی بڑھتی ہوئی طاقت سے مغلوب ہونے کے باوجود جہانگیری اسپرٹ مفقود نہ ہونے دی لیکن وہ دیر تک تند آندھی کا مقابلہ نہ کر سکا۔ انگریز اسے قریب بہ مرگ کر گیا زندگی کے وسیلے تنگ ہونے لگے اور کمزوری غربت کا بار پڑنے لگی۔ بالآخر جب جینا دشوار ہو گیا تو مسلمان نے ہار مان لی۔

ہندو چونکہ پہلے غلام تھا اور جیسے مسلمان کے دورِ حکومت میں آرام پیش اور ہر طرح کی حیثیت میسر تھی مسلمان سے کٹ کر الگ

ہو گیا۔ اس نے مسلمان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس نے ہنگامی مصلحت کی خاطر اپنا رویہ بدل لیا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے مسلمان کا بائیکاٹ کیا اور بہ سرعت سیاست کی نئی دنیا میں ترقی کرنے لگا۔ اس نے انگریزی تعلیم، انگریزی تہذیب اور انگریزی ملازمت اختیار کی۔ جسے مسلمان نے ٹھکرایا اسے ہندو نے قبول کیا۔ مسلمان انگریز سے دور دور رہا، ہندو انگریز سے گھل مل گیا۔

دوڑ میں ہندو مسلمان سے سو سال آگے نکل گیا۔ ہندو نے انگریز سے پڑھے ہوئے سبق حفظ کر لئے۔ انیسویں صدی گئی، بیسویں صدی آئی۔ پہلی عالمگیر جنگ چھڑی۔ انگریز نے خوشامد در آمد سے مسلمان کو جانی اور مالی قربانی کا نشانہ بنایا۔ جنگ ختم ہوئی۔ انگریز نے عادت کے موافق قدرناشناسی کا ثبوت دیا اور صلے میں خست سے کام لیا۔

جنگ کے بعد گاندھی کو سیاسی عروج نصیب ہوا۔ اس نے اپنی فریب آمیز حکمت عملی سے سادہ لوح مسلمان کو ساتھ ملا لیا۔ اس نے چرخے کی سودیشی خالص ہندو تحریک جاری کی جس کا اصلی مدعا یہ تھا کہ ہندو تجارت کرے کاروبار کے ذریعہ اور سرمایہ داری کا مسلمان کو کچلے۔ یہ ہندو کے اقتصادی انقلاب کا نشان بن گیا۔

گاندھی نے چرخے کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا۔ وہ منظر دیکھنے والوں کو نہیں بھولا ہوگا جب لاہور کے گلی کوچوں سے اکال اور تعلقہ والا کا جلوس نکلتا، لوگ ان اکال اور تعلقہ والوں میں بیش قیمت ملبوسات پھینک دیتے جنہیں بعد نذرِ آتش کر دیا جاتا ناسمجھ مسلمان سب کچھ کرتا لیکن سوچ نہ سکتا۔ وہ ہندو کا ہمنوا ہو کر زندہ باد کے پرجوش نعرے لگاتا۔ اس نے اپنے تعاون سے ہندو کی تحریک کا کامیاب بنائی وہ جیل گیا اس نے سختیاں جھیلیں اور قربانی دی۔ لیکن اسے کچھ نہ ملا اور کیوں ملتا یہ اکثریت ہو کر اقلیت کو فائدہ نہیں اٹھا سکتی

چالاک ہندو نے اپنے مفاد اور اپنی برتری کی خاطر نادان مسلمان کو آلۂ کار بنایا۔ گاندھی کا مطلب پورا ہو گیا۔ ولایتی کپڑے کی جگہ دیسی کھادی پہنی جانے لگی۔ احمد آباد میں ہندو کے سرمائے نے گونج پیدا کی۔ بڑی بڑی کارگاہیں ہندو کی عظمت اور ہیبت کا نشان بن گئیں۔ ہر قسم کی صنعت اور تجارت ہندو کے ہاتھ میں آگئی۔ برلا، گوئنکا، واڈیہ اور ڈالمیا پیدا ہوئے۔ کم فہم مسلمان نے دوسروں کو طاقتور بنا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا۔

مسلمان کی مدد سے ہندو بادشاہ بن گیا۔ ولایتی مال کے بائیکاٹ سے ہندو کا مال منڈی میں چل گیا۔ کپڑے، کاغذ، فلم، بنکنگ، انشورنس اور صرافے وغیرہ کا کاروبار ہندو نے سنبھال لیا۔ مسلمان بے خبر رہا۔ ہندو منزل کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتا گیا۔ حالت بایں جا رسید خالص اسلامی آبادیوں میں روزمرہ کے کاروبار اور دوکانداری کے لئے بھی ہندو ہی کو موقعہ ملا۔ آج بھی اسلامی علاقوں اور محلوں میں ہندو بنئے کا وجود دلیل ہے کہ مسلمان کی محتاجی اور بے حسی کی یہ آخری حد ہے۔

مسلمان مدتوں بے وقوف بنا رہا۔ ہندو نے ایک جانب تعلیمی ترقی کی، دوسری جانب سرکاری ملازمت سنبھال لی اور تیسری جانب تجارت پر قابو پا لیا۔ ہندو کے پاس سرمایہ آگیا اور اس کے ساتھ اثر و رسوخ بھی۔ مسلمان جس نے ہندو کے شانہ بشانہ ہو کر تیسری طاقت سے مقابلہ کیا وہی ڈھاک کے تین پات رہا۔ اسے نہ علم ملا نہ ملازمت اور نہ تجارت۔ فائدے کے وقت ہندو نے ہمیشہ مسلمان کو فراموش کیا اور تعصب سے کام لیا۔ ہندو خوشحال غلام اور مسلمان بدحال غلام بن کر رہ گیا۔

اس پر بھی مسلمان انجان رہا۔ ہندو نے ترنگے جھنڈے کے سائے میں اپنی تنظیم کی اور تجارت کے ذریعے بڑھتے ہوئے پیسے سے مسلمان کو خریدنا شروع کیا۔ ہر بڑی شخصیت کا منہ پیسے سے بند کر لیا اور اسے اپنا نام لیوا بنا لیا۔ آزاد اور مدنی بک گئے اور ان کی دیکھا دیکھی کتنے ہی اور نیلام ہو گئے۔ مسلمان نے بندے ماترم اور جے ہند کے نعرے لگائے۔ ہر ایجی ٹیشن تحریک کی حمایت کی۔ اکھنڈ بھارت کے حق میں آواز بلند کی، اردو کے گلے پر چھری چلوائی۔ اپنی زبان اور اپنے عمل سے اپنے حقوق کو کفرستان میں دفن کر دیا۔ اپنی حمیت اور حریت کو سپرد خاک کیا۔ اپنا مفاد ترک کیا۔ کبھی ہندو کے مسلم کش رویے کے خلاف احتجاج نہیں کیا۔ اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان کیا۔

اب بات حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ قدرت کو جوش آیا۔ جبریل غیب کا پیغام لایا جسے شاعر مشرق رح کی الہامی زبان نے ادا کیا۔ اس پیغام میں مسلمان کی زندگی کا راز مضمر تھا۔ شاعر مشرق رح نے ہندی کی غلامانہ اور قوم پرستانہ ذہنیت کا پردہ چاک کیا۔ قرآنی فلسفہ پیش کیا۔ ہندی مسلمان کی نشاۃ الثانیہ کا یہاں سے آغاز ہوا۔ شاعر مشرق رح نے بتایا کہ مسلمان کی تہذیب، مسلمان کی معاشرت، مسلمان کی تعلیم، مسلمان کی روایات، مسلمان کا ملی فلسفہ اور مسلمان کا مذہب مختلف ہے۔

یہ محض تائید ایزدی تھی کہ اسی نازک موقعے پر جناح کے دل میں نور ایمان پیدا ہوا۔ مسلمان نے انہیں قائداعظم تسلیم کیا۔ حضرت قائداعظم نے مسلمان کی مردہ رگوں میں جان ڈالی۔ اسے غیرت دلائی۔ اسے بیدار کیا۔ رب لایزال کا کرم ہوا۔ ذلت کا دور انتہا تک پہنچ کر تمام ہوا۔

حضرت قائداعظم نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی اور نہایت قلیل عرصے میں اسے دس کروڑ انسانوں کی آواز بنا دیا۔ حضرت قائداعظم نے ملت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کیا اور شاعر مشرق رح کی اس صداقت کو عملی جامہ پہنایا۔

بہ رگ و سازِ کائنات از وحدت است

اندریں عالم حیات از وحدت است

مسلمان کی قسمت جاگی۔ اسے ایسا رہبر کامل مل گیا جسے دُنیا کی کوئی طاقت کسی قیمت پر نہ خرید سکی، جس کا ارادہ پربت سے بڑھ کر اٹل ہے، جسے کسی کی عیاری دھوکا نہیں دے سکتی۔ جو سیاست میں سب کا استاد ہے جس نے گاندھی کی فریب کاریوں کو طشت از بام کیا، جس نے آزاد کو اس کی ایمان فروشی کے ہاتھوں منہ کے بل گرایا، جس نے قوم پرستوں کا زور توڑا اور اکثر کو کانگرس کے پنجے سے چھڑا کر اپنے ساتھ ملایا اور جس نے ہر مخالفانہ وار کا جواب کمال تدبر سے دیا۔

آج مسلمان میں جو جذبہ ایثار ہے جوش ایمان، بیداری اور اخوت ہے یہ سب حضرت قائداعظم کی مخلصانہ محنتوں کا متبرک ثمر ہے۔ انہوں نے مسلمان کو ڈسپلن سکھایا، اس میں خود اعتمادی پیدا کی اور اسے اپنے حقوق سے آشنا کیا۔ اسے پاکستان کی راہ پر گامزن کیا۔

قوم متحد ہو چکی ہے اور یہ وقت ہے تعمیر کا۔ یہ زمانہ ڈائرکٹ ایکشن کا ہے۔ ڈائرکٹ ایکشن مستقل طور پر مسلمان کی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہے گا۔ مسلمان عارضی حکومت میں شریک ہو یا اس سے گریز کرے۔ وزارتی مشن کی تجاویز کامیاب ہوں یا ناکام رہیں مسلمان ڈائرکٹ ایکشن ترک نہیں کر سکتا۔ جہاں تک ڈائرکٹ ایکشن کا تعلق اقتصادی ترقی سے ہے، مسلمان ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے گا۔ ہندو نے اسی کے ذریعے عروج پایا اور مسلمان بھی اسی کے ذریعے اپنی مالی دقتوں کا مداوا کرے گا وقت کی مصلحتیں اثر انداز ہوں سیاسی تقاضے ڈائرکٹ ایکشن کی شکل میں رد و بدل کریں لیکن اس کا اقتصادی پہلو کسی صورت تبدیل نہیں ہو سکتا یہ اٹل رہیگا

حضرت قائداعظم کی یہ تحریک مسلمان کی اقتصادی خوشحالی کا پیش خیمہ بن کر رہے گی۔

پاکستان میں مسلمان کے لئے تجارتی سہولتیں بہر طور موجود ہیں۔ پاکستان نہایت زرخیز ملک ہے۔ اس کا بیشتر کاشتکار مسلمان اس کا خریدار مسلمان اس کی زمینداری پہلے سے مسلمان کے قبضے میں چلی آرہی ہے اور یہ آج کے تجارتی تعمیر پیشے کے حق میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں پاکستان میں خام اجناس بکثرت موجود ہیں۔ آسانی سے فارم ڈیری چلائی جا سکتی ہے جہاں سے دودھ، گھی، مکھن اور پنیر مہیا کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں روغن، بسکٹ، صابن، دیا سلائی، لکڑی ——— عمارتی اور منقش، آٹا چمڑے، جاپانے، اگنیٹھ، کپڑے، کاغذ، فلم، دوائیاں اینٹ، چونے، پتھر، سیمنٹ، کل پرزوں، ٹرانسپورٹ وغیرہ کی صنعت اور تجارت چلانے میں کافی آسانی ہے بہتیرے چھوٹے چھوٹے کاروبار سرمایہ کی کمی باعث ترقی سے محروم ہیں۔ ان میں وہ ورکشاپ بھی شامل ہیں جہاں ڈھلائی، خراد یا مرمت کا کام ہوتا ہے۔ سرمایہ بڑھا کر انہیں بڑی بڑی کارگاہوں میں بدلا جا سکتا ہے۔ بنک، صرافے اور انشورنس کے کاروبار کی طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے ——— بین الاقوامی تجارت ——— درآمد برآمد اور ایکسچینج میں مسلمان کے لئے بڑی گنجائش ہے کیونکہ بعض اہم بندرگاہیں پاکستان میں واقع ہوئی ہیں۔ ان صنعتوں اور تجارتوں کے چلنے سے بعد مسلمان کو مستقل، پائیدار خوشحالی زندگی نصیب ہو گی جو نسلاً بعد نسلٍ قائم رہے گی اور آنے والا دور اسے گزند نہ پہنچا سکیگا۔

"تاجر بن کر مسلمان اپنی ملت اور جماعت کو مضبوط کر لیگا تاجر مسلمان ہر طرح غیر تاجر مسلمان سے قوی تر ہوگا اور نسبتاً آسانی سے پاکستان حاصل کر لے گا۔

پاکستان اور تجارت دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے

پاکستانی تجارت کی تحریک کسی مخصوص طبقے یا مسلمان
کے لئے نہیں بلکہ بلا امتیاز تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔ غنی
مسلمان سرمایہ لگائے گا، غریب مسلمان کام کرے
گا، ایجنسیاں کھولے گا، ترقی کرے گا، اور غنی بن
جائے گا۔ دراصل یہ تحریک فلاح مسلمان کی مالی حالت
سدھارنے کے لئے ہے۔ غنی مسلمان کو آمادہ کیا جارہا
ہے کہ وہ اپنے نادار بھائی کی بہتری کے لئے تجارت
اور صنعت پر عملی توجہ دے۔ تجارتی وسیلے سے نچلے
طبقے کو مالی دشواریوں اور بے کاری سے نجات مل جائے۔
اسے تقویت دے کر ملت کا ایوان استوار کیا ہے
پاکستان کی تجارتی تحریک کو کامیاب بنانے اور
قومی زندگی میں اسے مستقل درجہ دینے کے لئے
تعلیمی نظام بدلنا ہوگا۔ ہمیں اپنی درسگاہوں کا
موجودہ رجحان بدلنا ہوگا۔ نصاب
تعلیم بدلنا پڑے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر
درسگاہ کو بنیادی تجارتی مرکز بنایا جائے۔ دستکاری
صنعت اور تجارت کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔ طلباء
کے دل سے یہ خیال دور کیا جائے کہ وہ صرف سرکاری
ملازمت کی خاطر علم حاصل کرتے ہیں۔ انہیں تجارت
پیشہ بنایا جائے۔ انہیں تعلیم کے دوران میں تجارتی
تجربے کا موقعہ دیا جائے۔ انہیں ملکی اور غیر ملکی
تجارتی اور صنعتی اداروں میں کام سیکھنے کو بھیجا
جائے۔ ہر درسگاہ کے ساتھ حسب ضرورت
چھوٹے اور بڑے پیمانے کے کارخانے اور دکانیں
ہوں جہاں طلباء وقت دیا کریں۔ اگر موجودہ درسگاہوں
میں صنعتی اور تجارتی تعلیم کی گنجائش نہ ہو تو ہمیں چاہیئے
کہ ہم علیحدہ تجارتی اور صنعتی درسگاہوں کا اجرا کریں
جہاں کے اعزاز اور جہاں کی سند کو کسی دوسری درسگاہ
کے اعزاز یا اس کی سند سے کم درجہ نہ سمجھا جائے

ہمیں تجارت پیشہ نسل پیدا کرنا ہے اور ایسی نوجوان
نسل تعلیم کے ذریعے ہی آسانی سے پیدا ہوسکے گی۔

جب پاکستان کی تجارتی تحریک کا پرچم طلباء لے کر
اٹھیں گے تو یہ تحریک آندھی کی طرح آناً فاناً پھیل جائے
گی۔ ملت کے ان قابل فخر نونہالوں پر مستقبل کا دارومدار
ہے جس طرح طلباء نے انتخابات کی مہم سر کی ہے
اسی طرح انشاء اللہ یہ اس تحریک کو بھی کامیاب
بنائیں گے۔

تجارت کے ذریعے سے بے کار اور قلاش مسلمان
پیسہ کمانے کے لائق ہو جائے گا۔ اس کی مفلسی دور ہو جائے
گی اور افلاس کی گندگی سے نکل کر غنی ہو جائے گا
پھر اس کے لئے سیاسی اقتدار کا حصول سہل
ہو جائے گا۔

موجودہ اتحاد اور یکجہتی کا تقاضا ہے کہ آج ملت
تیرہ سو برس کا بھولا ہوا سبق پھر دہرائے۔ وہ تجارت
جسے سرکار دو عالم ؐ نے اختیار کیا اسے ان کی ملت کو
اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ اسی میں نجات ہے۔

تجارت ملت کی فلاح اور پاکستان کے حصول کا
معتبر ذریعہ ہے۔

کاش کہ پاکستان کے چپے چپے پر مسلمان کی تجارت
ہو۔ پاکستان کی سربلندی پر مسلمان کا قبضہ ہو جس طرح
سیاست کے ذریعے پاکستان کے حصول کا کام حضرت
قائد اعظم نے اپنی ذات بابرکات پر عائد کر لیا ہے اسی
طرح تجارت کے ذریعے ملت کو اپنے اوپر عائد کرنا پڑے
گا۔ جس طرح حضرت قائد اعظم اپنا فرض پورے خلوص،
پورے انہماک اور پوری قوت سے ادا کر رہے ہیں۔
اسی طرح ملت کو اپنا فرض پورے خلوص، پورے انہماک
اور پوری قوت سے ادا کرنا چاہیئے۔ بے عملی اور کوتاہی
کا زمانہ گزر گیا۔ اب جدوجہد کا دور ہے۔ زندگی اور

موت کی کشمکش میں سرخرو ہونے کا وقت ہے ۔

ہر مسلمان کو حلف اٹھانا چاہیئے کہ وہ پوری پوری ایمانداری سے تجارت کرے گا ۔ مسلمان مسلمان کا پیسہ نہیں کھائے گا ۔ مسلمان مسلمان کی حق تلفی نہیں کرے گا ۔ مسلمان مسلمان کی مدد کرے گا ۔ نیک نیتی کی اسپرٹ سے کام کیا جائے کیونکہ حالات کا یہی تقاضا ہے ۔ اسی میں مسلمان کی خیریت ہے ۔ ورنہ انگریز اور ہندو مسلمان کو مٹانے پر تلا ہوا ہے ۔

اکیلا انگریز، ہندو اور مسلمان دونوں سے زیادہ طاقتور ہے ۔ اکیلا ہندو، مسلمان سے زیادہ طاقتور ہے اور مسلمان کو ان دونوں سے سابقہ پڑا ہے ۔ لہذا مسلمان کو سب سے زیادہ طاقتور بننا پڑے گا ۔ مسلمان کو چاہیئے کہ فی الآن اقتصادی محاذ قائم کرے اور پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی تجارت کا جال پھیلا دے ۔ جب مسلمان اقتصادی جنگ میں ظفریاب ہوگا تب پاکستانی فتوحات کا پہلا یوم فتح منایا جائے گا ۔

پاکستان صحیح معنی میں تبھی فتح ہوگا جب اس کی تجارت اور اس کا زر بازار مسلمان کے ہاتھ آئے گا ۔ صرف سیاسی تحریک سے حاصل کیا ہوا پاکستان دیرپا نہ ہوگا ۔ البتہ سیاسی پاکستان سے اقتصادی پاکستان کہیں زیادہ دیرپا ہوگا ۔ سیاسی پاکستان کے پہلو بہ پہلو اقتصادی پاکستان کا قیام نہایت ضروری ہے ۔

اس وقت لوہا گرم ہے ۔ چوٹ لگانے سے چوکنا نہ چاہیئے ۔ مسلمان تجارت کی داغ بیل ڈال دے ۔ لیگی وزارتوں سے مراعات حاصل کرے ۔ حکومتی تعاون اور جماعتی سرپرستی سے فائدہ اٹھائے ۔

تجارتی انقلاب میں مسلمان کی نصف سے زیادہ تکالیف کا علاج مضمر ہے اور جب یہ تکالیف جاتی رہیں گی تو پاکستان کے حصول میں داخلی یا خارجی کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہوگی ۔

تجارتی ریاست مسلمان کی ملی تعمیر کا غیر مخدوش ذریعہ ہے ۔ اس سے بے نیاز رہ کر مسلمان منزل تک نہیں پہنچ سکتا ۔ تجارتی تعمیر ہی میں حسب استطاعت حصہ لینا ہر مسلمان کا مقدس فرض ہے ۔

مدرسین اور گرانی

گرانی کے اس بحرانی دور میں مدرسین کا مفلس طبقہ جس مصیبت میں مبتلا ہے، اس کا تذکرہ دردناک ہی نہیں بلکہ شرمناک بھی ہے یہی وہ طبقہ ہے جس نے ہمیں اور آپکو علم کی روشنی دکھائی کیا وہ اس فیضان کے عوض زبوں حالی کا مستحق ہے ؟ یقیناً نہیں ۔ زمانہ بدل رہا ہے معاشرتی نظام نئی اقتصادی اصلاحیں طلب کرتا ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ وقت کی حکومت اس طبقے سے قطعاً ناانصافی نہ کرے بلکہ گذشتہ بدسلوکی کا فی الفور ازالہ کرے ۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کے جو اساتذہ ہڑتال پر ہیں انکے مطالبات فوراً تسلیم کرے ۔

ایک بس کمپنی

ہمیں پر وثوق ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ گجرات کی پنجاب بس (لمیٹڈ) بڑے اچھے طریقے سے کام چلا رہی ہے ہمیں ان لوگوں سے بڑی ہمدردی ہے جو ملک کے کسی گوشے میں تجارت کی نئی راہ پیدا کرتے ہیں اور عوامی انداز سے کاروبار کو ترقی دیتے ہیں ۔ مرزا اللہ دتہ (مینجنگ ڈائرکٹر)، میاں برکت علی، میاں محمد اکبر فاروقی میاں فضل الہی، مرزا رحمت اللہ، چوہدری فتح علی، میر محمد سلطانی محمد دین ۔ نرائن داس، غلام حسین اور چوہدری عطا محمد تعریف کے مستحق ہیں ۔ کیونکہ انہوں نے بعض احباب کی وساطت اور ذاتی کوشش سے اسکیم کو کامیاب بنایا ۔

ادارہ

خیام کی محبوبہ

از قلم رحمٰن مذنب

(بہ اجازت آل انڈیا ریڈیو)

گل دوراں :- چچا

ملا حلبی :- ہاں بیٹی

گل دوراں :- آج رات سردی کس قیامت کی پڑی ہے اگر جلانے کو جھاڑ جھنکاڑ یہاں اور سر چھپانے کو یہ ٹوٹا پھوٹا سائبان میسر نہ آتا تو ہم ٹھٹھر کر رہ جاتے

ملا حلبی :- ہاں گل دوراں! جاڑے کی رات بسر کرنا غربت کے لئے موت کے برابر ہے - خیر، یہ لے ایک پیالہ قہوہ پی لے - گرم گرم -

گل دوراں :- ضرور، چچا ضرور (سڑپے کی آواز) بدن میں حرارت دوڑ گئی - جان میں جان آگئی - چچا!

ملا حلبی :- کیوں، گل دوراں!

گل دوراں :- ہنوز سحر نہیں ہوئی - رات کتنی مہیب ہے اور نیشاپور کا غلام بازار تو بالکل سنسان پڑا ہے -

ملا حلبی :- ہاں بیٹی - رات ہیبت اور سکون کا مظہر ہے -

گل دوراں :- افق پہ زحل مسکرا رہا ہے - اسے ہماری کس مپرسی پہ ترس نہیں آتا - ہمارا ہمدرد کون ہے؟

ملا حلبی :- گل دوراں! ملکشاہ کا درباری ستارہ شناس تم سے ہمدردی رکھتا تھا - افسوس! وہ نہ رہا -

گل دوراں :- گردش ستارہ نے اُسے ہم سے جدا کر دیا - یہ ستارے خود تو گردش کرتے ہیں - لیکن آدمی پر بھی ان کا اثر پڑتا ہے - کاش یہ گردش نہ کریں -

ملا حلبی :- یہ رضائے ایزدی ہے -

گل دوراں :- رضائے ایزدی؟ خیام کے ہم سبق دوست حسن ابن صباح نے اُسے کبھی رضائے ایزدی نہیں کہا - چچا! خیام خود ہوتا تو زائچہ کھینچ کر گردش فلک کی وضاحت کر دیتا - وہ آنکھیں بند کر کے ستاروں کی حرکات بتا سکتا تھا - جانے وہ اب کہاں ہے - اب اس کا کون مربی ہے؟ ملکشاہ اور نظام الملک طوسی دار فانی سے کوچ کر گئے - مفتیوں کے نزدیک وہ بے دین ہے اب بے دین کا ٹھکانہ کہاں؟

ملا حلبی - کہیں بھی نہیں -

گل دوراں - اُسے بیش بہا خلعت دیئے گئے دینار و درہم اس افراط سے اس کے قدموں میں ڈالے گئے کہ اس نے اسے بمشکل زرکار قصر اُسے رہنے کو دیا گیا - کنیزیں اور خدام تعینات کئے گئے اور سب سے بڑھ کر ظلِ الٰہی کی مربیانہ نظر اُس پر تھی لیکن وہ کبھی مطمئن نہ ہوا -

ملا حلبی :- آخر اس کی پریشانی کی وجہ کیا تھی؟

گل دوراں :- اُسے دل کا عارضہ تھا - اُس کے ہاتھوں وہ ہمیشہ دنیا سے نامطمئن رہا - مجھے یاد ہے کہ ایک روز جب نظام کا غلام اشرفیوں کے توڑے لئے نیشاپور کی گلیاں چھان رہا تھا! اس وقت خیام جوئبار کے کنارے میرے پاس

بیٹھا اپنی ایک رباعی گنگنا رہا تھا۔ جب نظام پہنچا
تو اس نے بے پروائی سے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ "سیم
وزر کے خوش آہنگ ٹھیکرے نظام کے پاس
واپس لیجا! خیام گل دوراں کے حسن سے مالا
مال ہے۔ سنا ہے کہ نظام یہ سن کر جل بھن
گیا۔ لیکن وہ خیام سے ایک حرف شکایت نہ کہہ
سکا۔ خیام کو اس نے ہمیشہ مسکراتی نظروں سے دیکھا
حالانکہ اس کے بے پناہ دبدبے سے ایوان فارس
سے کانپتا تھا۔

ملا حلبی۔ وہ دل سوختہ، ناکام خیام ہمیشہ آوارہ رہا۔

گل دوراں۔ مجھے اعتماد ہے کہ اس کے دل میں اب
بھی میری جگہ ہے۔

ملا حلبی۔ گل دوراں! اس نے تجھ سے بے وفائی کی۔

گل دوراں:۔ نہیں چچا! وہ بے وفا نہیں تھا۔

ملا حلبی:۔ پھر؟

گل دوراں۔ بہت کم نے اُسے سمجھا۔ وہ اصل میں رسوم
و قیود کا مخالف، ریاکاری و ظاہر داری کا دشمن
اور آزادی کا پرستار تھا۔ آزاد خیالی اور رندی
سے اُس کے نفس کا خمیر بنا تھا۔ بارہا اس
بے نظیر فلسفی کو میں نے اپنی آغوش میں نیم مدہوش
پایا اور پھر اُسے یکایک میری کلائیوں کو جھٹکا
دے کر، دار النجوم کی جانب بے تحاشا بھاگتے
دیکھا اور یوں بھی ہوا ہے کہ رات رات بھر قصر لولو
میں الجبر و المقابلہ کی مقادیر حل کرتے کرتے
جھلملا اٹھتا اور شمعیں گل کئے بغیر نسیم نیم شبی کی رو
کے ساتھ ساتھ خاموش وادیوں اور لالہ زاروں
میں نکل گیا۔ اس نے کبھی کسی عورت کو بیوی
نہیں بنایا۔ لیکن کسی عورت نے اس سے نفرت
بھی نہیں کی۔

ملا حلبی:۔ گل دوراں! یہ تعجب کی بات ہے۔

گل دوراں:۔ یقیناً! خیام عورت کی عزت کرتا تھا
اور اس کی محبت کے لئے ہر قربانی پیش کرتا تھا
میرے لئے اس نے اپنی قسمت کو ٹھکرا دیا
لیکن جب قسمت نے اُسی کو ٹھکرا دیا تو ہم دونوں
ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اب شاید
ہم کبھی نہ مل سکیں۔

ملا حلبی:۔ ممکن ہے کہ ملنے کی صورت پیدا ہو جائے
نیشاپور کا غلام بازار اس سے اجنبی نہیں۔
وہ جب بہت گھبرا جاتا ہے تو یہاں آ جاتا ہے

گل دوراں:۔ ہاں ایسا بھی ہوا ہے۔ وہ یہاں آ کر
لونڈیاں خریدتا ہے۔ لیکن نہ جانے پھر کیوں
انہیں اپنے احباب کے حوالے کر دیتا ہے
جو ان سے بیاہ کر لیتے ہیں۔

ملا حلبی:۔ شائد وہ اب بھی یہاں آئے کیونکہ وہ ملکشاہ
نظام الملک طوسی کے انتقال کے بعد سے برگشتہ
حال ہے۔

گل دوراں:۔ یا شائد وہ الموت کی جنت میں داخل
ہو جائے۔ ابن صباح کو اس فلسفی اور حکیم کی
اشد ضرورت ہے۔ اُس نے ہمیشہ خیام کو
شرکت کی دعوت دی تاکہ حشیشی سازشیں کامیاب
ہوں۔

ملا حلبی:۔ لیکن وہ ابن صباح کا حامی نہیں۔ وہ جید حکیم
ہے جسے بوعلی سینا کا مرتبہ حاصل ہے۔ وہ
آزاد اور آوارہ ہے۔ اُس کی کسی سے بن نہیں آتی

گل دوراں:۔ اگر اس نے الموت کا رخ نہ کیا تو وہ
نیشاپور کے غلام بازار میں ضرور آئے گا۔

ملا حلبی:۔ میرا خیال بھی یہی ہے۔

گل دوراں۔ لیکن چچا! رات ختم ہونے کو نہیں آتی۔

ملا حلبی:۔ ہاں گل دوراں! پریشان زندگی میں راتیں لمبی ہو جاتی ہیں۔

گل دوراں۔ ہنوز صبح کاذب نہیں ہوئی۔ زحل کا رنگ پھیکا نہیں پڑا۔ کہکشاں تک نمایاں ہے۔ شمہ بھر آثار سحر پیدا نہیں ہوئے۔

(دور کہیں گرد و نواح میں اذان کی آواز)

ملا حلبی:۔ اذان ہو رہی ہے۔ گل دوراں! ہم ابھی ابھی حلب کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔

گل دوراں۔ ابھی ابھی؟

ملا حلبی۔ ہاں گل دوراں! اور کیا؟ نیشا پور کے غلام بازار میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ ہمیں تجارتی سامان لانے کی غرض سے حلب پہنچنا ہے اب ہم جس قدر جلد پہنچیں، اچھا ہے۔

گل دوراں۔ لیکن ہم ابراہیم الخیام سے کیونکر مل سکینگے؟

ملا حلبی۔ ہم لوٹ کر آئیں گے۔ تب اس کا ملنا ممکن ہو سکیگا!

گل دوراں۔ نہیں، چچا! ہم قدرے انتظار کریں! شاید وہ دو چار روز میں ادھر نکل آئے۔

ملا حلبی۔ نہیں گل دوراں! اس میں رہے تو ہم سے کارواں چھوٹ جائے گا! نماز کا وقت ہو گیا۔ ہمیں کاروانسرائے کی مسجد میں پہنچنا ہے۔ دشت ترکستان کا قافلہ فجر کے بعد کوچ کر دے گا۔ آؤ یہ سامان اور صندوقچہ گدھے پر کس لیں!۔

گل دوراں۔ چچا! ایک قافلہ کل بھی روانہ ہوگا۔

ملا حلبی۔ وہ تو یاترہ کا رخ کریگا۔

گل دوراں۔ اگر عمر خیام ہمیں مل گیا تو ہم اُسے اپنے ہمراہ لے جائیں گے اور وہ میرا کہا مان لے گا۔

ملا حلبی۔ لیکن تیری آنکھوں میں وہ برق قیامت کہاں جو اب اس کے خرمن دل میں شرر پیدا کر دے؟

گل دوراں۔ وقت گذر جاتا ہے لیکن پرانے زخم تازہ ہو جاتے ہیں، بھولی ہوئی باتیں یاد آجاتی ہیں دبی چنگاریاں سلگ اٹھتی ہیں اور پرانی محبت قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے۔

ملا حلبی۔ خیر، ہمیں اب جانا ہے! آ سامان باندھیں!

گل دوراں۔ کم از کم آج کا ارادہ تو ملتوی کر دینا چاہیئے!

ملا حلبی۔ گل دوراں! ہٹ! میں نہ دیکھوں! تو بیکار باتوں میں پڑی ہے۔

گل دوراں۔ نہیں چچا! آپ کو صبر سے کام لینا چاہیئے

ملا حلبی:۔ خیر، (اونی نمدہ سمیٹنے، ملبری ظروف کے گرنے پڑنے کی آواز)

(پانی گرا کر) باسی پانی کی ضرورت نہیں تمام ظروفِ آبی باب عتیق سے باہر چشمے سے بھر لیں گے۔

گل دوراں۔ آپ نے تو سامان باندھ کر پوری تیاری کر لی۔

ملا حلبی۔ ہاں، بیٹی! اب چل دینا چاہیئے۔

گل دوراں۔ چچا! آج کا جانا میری منشا کے خلاف ہے

ملا حلبی:۔ ایک اسی پہ منحصر نہیں، بہتری چیزیں ہونگی جو تیری منشا کے خلاف ہوں اور میری منشا کے موافق

گل دوراں۔ آپ کو میرا خیال کرنا چاہیئے کیونکہ آپکے برادر بزرگ نے مرتے وقت مجھے آپکے سپرد کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ آپ میری دلدہی کریں۔

ملا حلبی۔ ناسمجھ لڑکی! میں اپنا فرض پہچانتا ہوں۔ میں نے تیری دلدہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ تجھے بے وجہ شکایت ہے۔

گل دوراں۔ آپ مجھے خیام سے ملنے نہیں دیتے۔

ملا حلبی۔ گل دوراں! اس میں تیری بھلائی ہے مجھے تیرے آرام اور تیری راحت کا خیال ہے خیام کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں۔ وہ اب بے گھر اور آوارہ ہے۔

گل دوراں۔ آپ کو معلوم نہیں ۔ اس کے عروج کا زمانہ
ہر وقت عود کر سکتا ہے ۔ ابھی وہ بے گھر ہے لیکن
ابھی وہ ترقی کی بلندترین منزل پر پہنچ جائے گا ۔
میں اسے آئندہ آوارگی سے روک سکوں گی ۔

ملا حلبی۔ گل دوراں! نقاب پہن! ہمیں سرزمین آفتاب
سے بہت جلد نکل جانا ہے ۔ اندھیرے میں کسی
کے ادھر آنے کی آہٹ آرہی ہے ۔ چل! نکلیں

گل دوراں ۔ ذرا ٹھہرئیے! اس اجنبی سے مل لیں! کہیں
یہ عمر خیام نہ ہو ۔

ملا حلبی۔ عمر خیام؟ (قہقہہ) عمر خیام ۔ بلی کے خواب میں
چھیچھڑے ۔ لے وہ آگیا ۔

اجنبی۔ السلام علیکم ۔

ملا حلبی ۔ وعلیکم السلام شکر الحمد للہ کہ تم عمر خیام نہیں

اجنبی ۔ عمر خیام؟ عمر خیام کہاں ہے؟

ملا حلبی۔ واللہ اعلم، ہمیں کچھ خبر نہیں ۔

اجنبی۔ میں تین روز سے عمر خیام کے لئے سرگرداں
ہوں ۔

ملا حلبی۔ وہ نیشاپور کا آوارہ نہ ہندس سرزمین آفتاب
میں نہیں مل سکیگا ۔

اجنبی۔ تم غلط کہتے ہو ۔ وہ آج نیشاپور کے غلام بازار
میں آئے گا ۔

گل دوراں۔ کیا یہ سچ ہے؟

ملا حلبی۔ چپ! ہمیں عمر خیام کا انتظار نہیں کرنا ہمیں
جانا ہے ۔ چل! بیٹی!

گل دوراں ۔ نہیں چچا!

ملا حلبی۔ بیٹی احمق مت بن! برادر من! خدا حافظ!

اجنبی۔ خدا حافظ! یا اخی! تم کہاں جارہے ہو؟

ملا حلبی۔ حلب ۔

اجنبی۔ تمہیں عمر خیام سے ملنا ہے؟

ملا حلبی۔ ہنہ ہں ۔

اجنبی ۔ یا اللہ! لیکن تمہارا نام کیا ہے؟

ملا حلبی۔ ملا حلبی ۔

اجنبی۔ ملا حلبی؟ ملا حلبی۔ یہ نام تو میں نے سنا ہے
عمر خیام ہی کی زبان سے ۔ ملا حلبی! تم ابھی
مت جاؤ! ذرا رکو!

ملا حلبی ۔ (فاصلے سے) نہیں، نہیں ۔ مجھے رکنے کی ضرورت
نہیں ۔

اجنبی ۔ خیر! اپنے تئیں، وہ نکل آیا ۔ یہ کون آرہا ہے
میری جانب؟

بڑھیا ۔ صاحبزادے! میں ایک بڑھیا ہوں، بڑھیا ۔
تجربہ کار اور مردوں کی مددگار ۔ حیرت ہے کہ تم نیشاپور
کے غلام بازار میں مجھ سے واقف نہیں ۔

اجنبی۔ خالہ! میں نیشاپور کے غلام بازار میں نو وارد ہوں

بڑھیا ۔ (قہقہہ) خوب! سنو! ذرا کان لگا کر (فاصلے
سے پازیب کی دھیمی دھیمی آواز اور نغمہ!!!)
یہ دھیمی دھیمی دلکش صدائیں حوروں کے نغمے ہیں
جو سحر و کرشمہ کے سانچے میں ڈھالی گئی ہیں ۔ زندگی
انہیں زیب دیتی ہے، حسن ان کی ملکیت ہے
اور نغمہ ان کا کمال ہے ۔ ان کے پیارے پیارے
گیت اس لائق ہیں کہ نوجوان انہیں سنیں اور
فریفتہ ہو جائیں ۔ آؤ! میں تمہیں ان حوروں کی
فردوس میں لے جاؤں ۔

اجنبی ۔ خالہ! مجھے ان حوروں سے معاف رکھو! میں
تو عمر خیام کی تلاش میں ہوں ۔

بڑھیا ۔ تمہارا کیا نام ہے؟

اجنبی ۔ میرا نام ۔ تم میرا نام کیوں پوچھتی ہو؟

بڑھیا ۔ یونہی ۔ یعنی یہ جاننے کے لئے کہ تم کون ہو ۔

اجنبی ۔ میرا نام پوچھنے سے کچھ فائدہ نہیں ۔

بڑھیا۔ خیر تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم اس کے دوست ہو کہ دشمن؟

اجنبی:۔ میں اس کے محترم دوست کا قاصد ہوں ۔ میں اس کا دشمن نہیں ۔

بڑھیا۔ نیک خوب است ۔ آج کل اس کے دشمن بہ تعداد کثیر پیدا ہو گئے ہیں ۔ مجھے اس کے دشمنوں سے نفرت ہے ۔

اجنبی ۔ آج شنید ہے کہ عمر خیام نیشاپور کے نلام بازار میں آئے گا ۔

بڑھیا۔ کیا یہ سچ ہے ؟

اجنبی ۔ ہاں سچ ہے ۔

بڑھیا (ہنسی) خیر بیٹا آج اگر عمر خیام آگیا تو میری حدیں اس کے دل کو گدگدا دیں گی ۔

بڑھیا۔ بیٹا میں جاتی ہوں ابھی پھر آؤں گی ۔

(شور ۔ سارنگی کی دھنیں ۔ تیمور کی آمد اور قہقہوں کی گونج)

اجنبی ۔ آغا یا خواجہ السلام علیکم ۔

عمر خیام :۔ او ہو درویش تم کہاں ؟

اجنبی ۔ یا خواجہ آپ کی تلاش میں ہوں ۔

عمر خیام ۔ خوب آفتاب مرزا تم انہیں جانتے ہو؟

آفتاب مرزا ۔ شاید نہیں ۔

عمر خیام ۔ اور بابا شیرازی تم ؟

شیرازی !۔ میں ؟ (نفرت انگیز ہنسی) ہاں جانتا ہوں ۔ یا خواجہ ذرا یہاں سامان رکھ دوں پھر بتاتا ہوں کہ یہ حضرت کون ہیں ۔ (سامان پٹکنے کی آواز)

عمر خیام ۔ خیر خیر تم رہنے دو سامان لگاؤ! آفتاب مرزا! یہ ہمارے مرحوم مربی نظام الملک طوسی کے اور میرے ہم سبق دوست حسن بن صباح کے مرید شہید احمری ہیں ۔

شہید احمری :۔ راست گفتید یا خواجہ!

بابا شیرازی ۔ لاحول ولا! سگ الموت کا نام لے دیا ۔ آپ نے، یا خواجہ! اور وہ بھی احتراماً ۔

عمر خیام ۔ بابا لاؤ میرا غالیچہ!

بابا شیرازی ۔ میں خود ہی بچھائے دیتا ہوں، یا خواجہ! آیئے، تشریف رکھئے!

عمر خیام ۔ بس بس، بابا! رہنے دو! اب میں بیٹھ جاؤں گا آفتاب مرزا اور تم شہید احمری آؤ! بیٹھو! معاف کرنا! یہاں چنداں تکلیف کا موقعہ نہیں ۔ دن کا ٹھکانا ہے شام تک ہم لوگ یہاں سے اصفہان چلدیں گے ۔

شہید احمری ۔ میں آپ سے ملنے آیا تھا ۔ آقا نے مجھے اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ کو الموت جانے کی دعوت دوں ۔

بابا شیرازی ۔ الموت ؟ اعوذ باللہ من ذالک خواجہ وہاں بھول کر نہیں جائیں گے !

عمر خیام ۔ ہاں ۔ برادر من ! بابا شیرازی نے سچ کہا ۔ مجھے الموت نہیں جانا ۔

آفتاب مرزا ۔ آپ کو الموت کی فضا راس نہ آئے گی آپ کو سکون کی زندگی بسر کرنا چاہیئے پریشانی کے بہتیرے دن دیکھے ہیں ۔

عمر خیام ۔ ہاں، پریشانی بے حد دیکھی ہے ۔ تمام سختیاں ہو گذریں ۔ اب تاب نہیں کہ سختیوں کا دوبارہ تختۂ مشق بنوں ۔

شہید احمری ۔ آقا کا قول ہے کہ سختیاں آیا کرتی ہیں دل توانا رکھنے کی ضرورت ہے سختیاں کامیابی کا پیش خیمہ ہوتی ہیں ۔

عمر خیام :۔ یہ درست ہے لیکن پیہم صدمات نے میرا دل چھلنی چھلنی کر دیا ہے چاہتا ہوں کہ چند روز جوئبار اور لالہ زار کے کنارے گذاروں تاکہ صدمات پرانے

ہو جائیں اور زخم خوردہ دل توانا ہو جائے!

بابا شیرازی۔ یا خواجہ! آپ کی بجائے کوئی اور ہوتا تو بے دم ہو کر رہ جاتا۔

عمر خیام۔ ابھی میرے زخموں سے خون ٹپک رہا ہے میرا دارالنجوم سپرد آتش کر دیا گیا اُس کے شعلے کتنے خوفناک تھے طوفان باد کے تیز جھونکوں نے اُن میں برق پیدا کر دی۔ شعلے سرد ہو چکے لیکن میرا دل جل رہا ہے۔

شہید احمری۔ یا خواجہ! بہت برا ہوا۔ آقائے الموت آپ کے دارالنجوم کو علوم حقیقی کا سرچشمہ خیال کرتے تھے۔

عمر خیام۔ میرے بے نظیر مسودے جل کر خاک ہو گئے لیکن یہ سب جہالت تھی۔ بفضلِ الٰہی میرا حافظہ کافی تیز ہے۔ مجھے اپنے مسودوں کا ایک ایک حرف یاد ہے لیکن کیا عجب ہے کہ اب مجھے فراغت نہ ملے اور میں ان کی از سر نو تدوین نہ کر سکوں۔ یہ سب میں نے سکون اور فرصت کے اوقات میں کیا تھا۔ اب دونوں عنقا ہیں!

شہید احمری۔ آقا کا فرمان ہے کہ افسوسناک واقعات کی طرف ذہن منتقل نہیں کرنا چاہیئے!

عمر خیام۔ لیکن یہ واقعات ایکدم نہیں بھلائے جا سکتے۔ انہیں صرف وقت میرے حافظے سے محو کرے گا۔ بدقسمتی سے میرا حافظہ بھی بلا کا تیز ہے۔ میں نے بڑی عرق ریزی سے اقلیدس اور الجبر والمقابلہ کے دقیق ترین مسائل حل کیے۔ ان کے مسودے تلف ہونے کا صدمہ ہے۔

بابا شیرازی۔ خیر! اب غم غلط کیجئے! تفریحات میں دل لگائیے!

عمر خیام۔ ناقدری اور علمی تعصب نے مجھے تباہ کیا۔ میں نے علوم کا مایہ ناز انبار لگا دیا تھا۔ آہ! میری برسوں کی جگر سوزی برباد ہو گئی۔ اب میری یادگار کیا ہے

شہید احمری۔ آپکی یادگار؟ آپ کی حکمت۔ آقائے الموت اسی لئے آپ کی شرکت کے طلبگار ہیں

عمر خیام۔ حکمت کی انتہا استفہام ہے۔

بابا شیرازی۔ آپ کی یادگار تقویم کا کمال ہے۔

آفتاب مرزا۔ آپ کی یادگار علم ہندسہ کی مہارتِ تامہ ہے جس کا اعتراف نظامیہ بغداد کے اساتذہ کر چکے ہیں۔

عمر خیام۔ میری یادگار کچھ بھی نہیں۔ فقط دو سرمایہ رباعیات اور پریشان زندگی۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو میری یادگار وہ قبر ہو گی جس پر بہار ہمیشہ گل افشانی کرے گی۔

بابا شیرازی۔ یا خواجہ! یہ باتیں ختم کیجئے!

عمر خیام:۔ بابا! انہوں نے مجھے ختم کر دیا ہے۔

شہید احمری۔ یا خواجہ! آپ ختم نہیں کئے جا سکتے اس لئے کہ آقائے حسن بن صباح کا ارشاد ہے کہ حکیم عمر خیام حادثات سے زیادہ جری ہے آپ واقعی جری ہیں۔

عمر خیام۔ لاریب! یہ کلام خالی از مبالغہ ہے۔

شہید احمری:۔ اگر آپ الموت کی فردوس میں چلیں تو آپ کا غم غلط ہو جائے گا۔ وہ بارگاہ جمال ہے اور وہاں آپ کے لئے آزادی ہے۔

عمر خیام۔ ایک آوارہ گی پسند کی گنجائش قید و بند میں نہیں۔ مجھے طائر قفس کی طرح پھڑپھڑانا نہیں بلکہ شاہین کی طرح پرواز کرنا ہے جس کے لئے فضا اور خلا درکار ہے الموت میں فضا اور خلا کا تخیل محدود ہے۔ خیر! یہ بے سر پا باتیں ہیں اب کیا کیا جائے؟

آفتاب مرزا۔ دل بہلانے کی تدبیر۔ برادر من! تمہاری گھبراہٹ کا علاج تفریح ہے۔
عمر خیام۔ شاید نیشاپور کا غلام بازار راس آئے ورنہ۔
شہید احمری۔ ورنہ آپ الموت چلئے!
عمر خیام۔ ہاں، احمری! میں لبیک کہتا ہوں۔ تاہم میرا ٹھکانا ایک اور بھی ہے۔
آفتاب مرزا۔ حکیم! وہ کونسا؟
عمر خیام۔ مرو کا ایک تاریک کوچہ جس کی روشنی ایک پری جمال، حور تمثال، ماہرو قندیل کے دم سے قائم ہے۔
بابا شیرازی۔ حجۃ الحق! میں جان گیا۔ آپ کی مراد گل دوراں سے ہے۔
عمر خیام۔ بابا شیرازی ایں راست گفتہ۔
شہید احمری۔ وہ کون حسینہ ہے؟ یاخواجہ!
عمر خیام۔ ملا حلبی کی برادر زادی۔
شہید احمری۔ ملا حلبی؟
عمر خیام۔ ہاں۔ ملا حلبی جو زر پرست ہے لیکن اُسے خبر نہیں کہ حسن کا درجہ زر سے بڑھ کر ہے۔
شہید احمری۔ لیکن، یاخواجہ! ملا حلبی مرو میں نہیں ہے وہ آج ہی حلب روانہ ہوا ہے۔
عمر خیام! حلب؟
شہید احمری۔ ہاں آج سحر گاہ وہ یہیں تھا۔ اسی سائبان کے نیچے۔ یہ جلتی بجھتی لکڑیوں کی آگ اسی نے سلگائی تھی۔
عمر خیام۔ تو کیا وہ تنہا تھا؟
شہید احمری۔ نہیں اس کے ہمراہ گل دوراں تھی۔
عمر خیام۔ آہ! وہ آفتاب عالمتاب اب کہاں ہے؟
شہید احمری۔ حلب کی سمت اس کا رخ ہے۔

عمر خیام۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ نیشاپور کی شعاعیں سمٹ کر حلب کو کہ جا رہی ہیں۔ آؤ ہم وہیں چلیں!
آفتاب مرزا۔ نہیں، برادرم! ہم بڑی گردش کر چکے ہیں رات بھر فرسنگوں مسافت طے کی۔ اب نڈھال ہو چکے ہیں۔
عمر خیام۔ نہیں، تم نے غلط کہا۔ میری رگوں میں ہنوز حرارت ہے میں اب بھی گل دوراں کی خاطر حلب جا سکتا ہوں۔
آفتاب مرزا۔ یہ محض خیال باطل وا ہمہ ہے۔ حلب ملک شام میں ہے اور شام یہاں سے کوسوں دور ہے۔
شہید احمری۔ یاخواجہ! میرا اندازہ ہے کہ واپسی پر ملا حلبی اور گل دوراں یہاں قیام کریں گے۔
آفتاب مرزا۔ ایسا ہی ہے تو ہم اصفہان نہیں جاتے یہیں گل دوراں کا انتظار کر لیتے ہیں!۔
عمر خیام۔ لیکن اس انتظار کی تاب کس میں ہے مرزا
آفتاب مرزا۔ کیوں برادرم؟
عمر خیام۔ ہم اگر حلب چلیں تو سہ پہر تک گل دوراں کو جا لیں گے۔
بابا شیرازی۔ یاخواجہ! ابھی پہلی تھکان دور نہیں ہوئی ایسے میں پھر سفر کیا تو بیمار پڑنے کا قوی اندیشہ ہے۔ آپکو یاد ہوگا کہ ایکمرتبہ آپ بلخ کے کوچۂ بردہ فروشاں میں سخت بیمار پڑے تھے۔ زندگی کی امید کم ہو گئی تھی۔ بمشکل تمام صحتیاب ہوئے
عمر خیام۔ خیر خطرات میں کود نا کم ہمتی نہیں۔ اصل زندگی خطرات ہی میں ہے۔
آفتاب مرزا۔ تاہم، برادرم صبر کرو! چند روز یہیں دل بہلاؤ! گل دوراں یہیں آجائے گی۔
بابا شیرازی۔ یاخواجہ! ابھی تھوڑی دیر میں غلام بازار

حسن و کرشمہ کی جنت میں بدل جائیگا۔ نازک نازک بدن، انگوری گوری صورتیں، دلربا چہرے، سرو سی قامتیں اور لطیف آوازیں آپ کے احساسات کو گدگدائیں گی۔

آفتاب مرزا۔ دیکھئے آمد و رفت شروع ہو گئی۔ خریدار اور بردہ فروش آنے لگ گئے۔

(تدریجی شور! آوازیں، پایل کی جھنکار، نغمات کی گونج، سازوں کی صدائیں)

عمر خیام۔ تمہاری بات مانی۔ یہیں دن بسر کرتے ہیں لو! وہ ہماری جان پہچان والی بڑھیا آ رہی ہے

بابا شیرازی۔ اس کے پاس ضرور کوئی پیکر نور ہوگا۔

آفتاب مرزا۔ اسے بلاتے ہیں۔ کوئی اسکی ٹکر نہیں کھاتا

بڑھیا۔ پائندہ باشی، خواجہ!

عمر خیام۔ خالہ! آج ہم تجھی سے ملنے آئے ہیں۔

بڑھیا۔ چشم ما روشن دل ما شاد، خواجہ! میں آپ کو مژدہ دوں کہ میرے ہاں ایک غلام ہے، کہنے سے زیادہ دیکھنے کے لائق ہے۔ حور اس سے شرماتی ہے۔

عمر خیام۔ خالہ! وہ حور کہاں ہے اور اس کا نام کیا ہے؟

بڑھیا۔ وہ ابھی سب کے سامنے جلوہ افروز ہو گی۔ میں اسے دلال کو سونپ آئی ہوں۔ اُس کا نام شیریں ہے۔

عمر خیام۔ تو خالہ! تیری شیریں کو ہم بابا شیرازی کے لئے خرید لیں گے (قہقہا)

بڑھیا۔ نہیں نہیں۔ خواجہ! بابا شیرازی کے لئے بہتر ہے کہ آپ مجھے خرید لیں (قہقہا)

بابا شیرازی۔ چل ہٹ! ابھی میں جوان ہوں۔ بَبَرِ شیر ہوں (قہقہا)

بڑھیا۔ سچ کہا، بابا! تم نے! لیکن میری شیریں خواجہ ابراہیم الخیام کے لئے ہے۔ خواجہ؟

عمر خیام۔ کیوں، خالہ!

بڑھیا۔ شیریں سرزمین رَے میں پیدا ہوئی اس نے جوانی کی کیف آور شراب کا لبریز پیمانہ پیا۔ بدمستی کی حالت میں اسے یہاں لے آئی۔

عمر خیام۔ خالہ! اس کی عمر کیا ہے؟

بڑھیا۔ خواجہ! وہ عالمِ غنچگی سے نکل کر گلِ شگفتہ بن گئی ہے

عمر خیام۔ کاش وہ مجھے عُنفوانِ شباب میں ملتی کہ اُسے سیم و زر کا عروج حاصل ہوتا۔

بابا شیرازی۔ اب بھی آپ کی قدر و منزلت سیم و زر سے کہیں زیادہ ہے۔

عمر خیام۔ یہ ضرور ہے کہ میں امیر نہیں۔ لیکن مجھے امارت کی خواہش نہیں، میں دولت مند نہیں، لیکن مجھے دولت کی طلب نہیں۔ میں مفلس ہی سہی لیکن افلاس مجھے راس ہے کہ اس میں آزادی ہے۔

بڑھیا۔ خواجہ! آپ ہرگز مفلس نہیں۔ غلام بازار کی ایک ایک خشت پر آپ کی فراخدلی کی مہر کندہ ہے۔ ذرہ ذرہ آپ کی فیاضی کا شاہد ہے۔

عمر خیام۔ خالہ! بولی کا وقت تو ہو لیا۔

بڑھیا۔ بس، وہ دیکھئے نقارہ بجا۔ (نقارہ، پازیب کی جھنکار، دلال نے بولی شروع کی)

دلال۔ نیشاپور کا غلام بازار آج پھر جوانی، حسن اور نغمے کا پُرکیف پیمانہ بننے کو ہے۔ اگر اسے پی لو تو زندگی کے چشمے نشیلے ہونے لگتے ہیں۔ کون بدذوق ہے جو اس نشے سے منہ پھیر لے (پازیب کی جھنکار) آپ کے سامنے شعلۂ قیامت ہے اُسے برقِ محبت کہئے! ستاروں کی محفل سے اس نے تبسم لیا۔

عمر خیام۔ اس کا نام کیا ہے؟

دلال۔ اس کا نام؟ خواجہ! ماہ و انجم میں اسکی چمک ہے آفتاب میں اُس کی تمازت ہے۔ شمع محفل میں اسکی حرارت ہے برق میں اس کا رقص ہے۔ خواجہ! اسکا نام شرارہ ہے۔

ایک خریدار۔ شرارہ؟ میرا دل سرد ہے شاید یہ گرما دے لاؤ میں دو صد دینار میں لیتا ہوں۔

دلال۔ دو صد دینار؟ (قہقہہ) اس پہ ماہ و انجم نثار دو صد دینار اس کے ایک تبسم کی قیمت ہے۔

دوسرا خریدار۔ یہ تعریف بیکار ہے۔ میں دو صد دینار اور ایک اونٹ دیتا ہوں۔

دلال۔ خوب۔ دو صد دینار اور ایک اونٹ۔

تیسرا خریدار۔ میں بڑھتا ہوں۔ دو صد دینار ایک اونٹ اور ایک قطعہ باغ۔

دلال۔ دو صد دینار، ایک اونٹ اور ایک قطعہ باغ خواجہ! اس سب کی میزانی قیمت ساڑھے تین صد دینار ہے۔ آپ اس سے کچھ زیادہ میں لے لیجئے!

عمر خیام۔ شرارہ مجھے راس نہیں۔ دل سوختہ خیام کو شرارہ نہیں چاہیئے۔ میرا دار النجوم تو شراروں کی نذر ہو چکا ہے کیا مجھے بھی اسکی نذر ہونا ہے

دلال۔ نہیں خواجہ! یہ شرارہ آپ کو نہ جلائیگا۔

عمر خیام۔ خیر! اُسے آتشکدے میں لے جاؤ! وہاں بہتر شرارے ہیں۔ (قہقہہ)

ایک خریدار۔ تم بے وجہ تعریف مت کرو! میں چار صد دینار پیش کرتا ہوں۔

دلال۔ ہنوز کم ہے۔

عمر خیام۔ مناسب پیشکش ہے۔

دلال۔ خواجہ آپکا فیصلہ منظور ہے شرارہ چار صد دینار میں بک گئی۔ (نقارے کا شور اور دوسری آواز پازیب کی جھنکار)

بڑھیا۔ خواجہ۔ اب شیریں کی باری ہے

عمر خیام۔ خوب!

دلال۔ خواجہ! اب سلاست ہو گئے!

عمر خیام۔ خیر۔

ایک خریدار۔ اسے میں لونگا تاکہ اسے شراب کا غسل دوں اور ..... اپنے ساتھ مستی میں غرق کر دوں۔

دوسرا۔ یہ مینا نے کی ساقی گری کریگی چھ صد دینار۔

تیسرا۔ میں اسے دل میں جگہ دونگا۔ سات صد دینار

عمر خیام۔ میں اسکے نغمات سے شام و سحر کو بیدار رکھوں گا ہزار دینار۔

چوتھا خریدار۔ میں اسے خاک بوس ایوانوں کی سیر کراؤنگا گیارہ صد دینار

عمر خیام۔ زندگی کی جنت ایوانوں میں نہیں۔ جوئبار کے کنارے ہے بارہ صد دینار، تیرہ صد، چودہ صد، پندرہ صد۔

آوازیں۔ پندرہ صد؟

دلال۔ پندرہ صد دینار خواجہ عمر خیام نیشاپوری کی محبوبہ۔

چوتھا خریدار۔ ابھی کسی کی محبوبہ نہیں۔ میں اسے پردہ نشین کرونگا ۱۶ صد دینار۔

عمر خیام۔ میں قصر لولو کی آخری پونجی صرف کر سکتا ہوں سترہ صد اٹھارہ صد۔ انیس صد۔ دو ہزار۔

ایک خریدار۔ اب یہ جنون ہے۔

دلال۔ دو ہزار دینار خواجہ عمر خیام نیشاپوری کی محبوبہ

چوتھا خریدار۔ خواجہ کی برابری مقصود نہیں شیریں خواجہ کی محبوبہ ہو گئی۔

عمر خیام۔ خیام کی محبوبہ۔

(دینار اور پازیب کی جھنکار جو بتدریج تیز ہو گئی)

خیام کی محبوبہ

از قلم ← رحمٰن مذنب

(بہ اجازت آل انڈیا ریڈیو)

گل دوراں :- چچا

ملا حلبی :- ہاں بیٹی

گل دوراں :- آج رات سردی کس قیامت کی پڑی ہے اگر جلانے کو تھا لکڑیاں اور سر چھپانے کو یہ ٹوٹا پھوٹا سائبان میسر نہ آتا تو ہم ٹھٹھر کر رہ جاتے

ملا حلبی :- ہاں گل دوراں! جاڑے کی رات بسر کرنا غربت کے لئے موت کے برابر ہے - خیر یہ لے ایک پیالہ قہوہ پی لے - گرم گرم -

گل دوراں :- ضرور چچا ضرور (سڑپنے کی آواز) بدن میں حرارت دوڑ گئی - جان میں جان آئی - چچا!

ملا حلبی :- کیوں، گل دوراں!

گل دوراں :- ہنوز سحر نہیں ہوئی - رات کتنی مہیب ہے اور نیشاپور کا عالم بازار تو بالکل سنسان پڑا ہے -

ملا حلبی :- ہاں بیٹی - رات ہیبت اور سکون کا مظہر ہے -

گل دوراں :- افق پہ زحل مسکرا رہا ہے - اسے ہماری کس مپرسی پہ ترس نہیں آتا - ہمارا ہمدرد کون ہے؟

ملا حلبی :- گل دوراں! ملکشاہ کا درباری ستارہ شناس تم سے ہمدردی رکھتا تھا - افسوس! وہ نہ رہا -

گل دوراں :- گردش ستارہ نے اُسے ہم سے جدا کر دیا - یہ ستارے خود تو گردش کرتے نہیں - لیکن آدمی پہ بھی ان کا اثر پڑتا ہے - کاش یہ گردش نہ کریں -

ملا حلبی :- یہ رضائے ایزدی ہے -

گل دوراں :- رضائے ایزدی؟ خیام کے ہم سبق دوست حسن ابن صباح نے اسے کبھی رضائے ایزدی نہیں کہا - چچا! خیام خود ہوتا تو زائچہ کھینچ کر گردش فلک کی وضاحت کر دیتا - وہ آنکھیں بند کر کے ستاروں کی حرکات بتا سکتا تھا - جانے وہ اب کہاں ہے - اب اس کا کون مربی ہے؟ ملکشاہ اور نظام الملک طوسی دارِ فانی سے کوچ کر گئے - معتقدوں کے نزدیک وہ بے دین ہے اب بے دین کا ٹھکانہ کہاں؟

ملا حلبی - نہیں بیٹی نہیں -

گل دوراں - اُسے بیش بہا خلعت دیئے گئے دینار و درہم اس افراط سے اس کے قدموں میں ڈالے گئے کہ اس نے اسے مورِ شگال زر کہا قصر بادہ اُسے رہنے کو دیا گیا - کنیزیں اور خدام تعینات کئے گئے اور سب سے بڑھ کر ظلِ الٰہی کی مربیانہ نظر اُس پہ تھی لیکن وہ کبھی مطمئن نہ ہوا -

ملا حلبی :- آخر اس کی پریشانی کی وجہ کیا تھی؟

گل دوراں :- اُسے دل کا عارضہ تھا - اُس کے ہاتھوں وہ ہمیشہ دنیا سے نا مطمئن رہا - مجھے یاد ہے کہ ایک روز جب نظام کا غلام اشرفیوں کے توڑے لئے نیشاپور کی گلیاں چھان رہا تھا! اس وقت خیام جوئبار کے کنارے میرے پاس

موت کی کشمکش میں سرخرو ہونے کا وقت ہے۔

ہر مسلمان کو حلف اٹھانا چاہیئے کہ وہ پوری پوری ایمانداری سے تجارت کرے گا۔ مسلمان مسلمان کا پیسہ نہیں کھائے گا۔ مسلمان مسلمان کی حق تلفی نہیں کرے گا۔ مسلمان مسلمان کی مدد کرے گا۔ نیک نیتی کی اسپرٹ سے کام کیا جائے کیونکہ حالات کا یہی تقاضا ہے۔ اسی میں مسلمان کی خیریت ہے۔ ورنہ انگریز اور ہندو مسلمان کو مٹانے پر تلا ہوا ہے۔

اکیلا انگریز، ہندو اور مسلمان دونوں سے زیادہ طاقتور رہے۔ اکیلا ہندو مسلمان سے زیادہ طاقتور رہے اور مسلمان کو ان دونوں سے سابقہ پڑا ہے۔ لہذا مسلمان کو سب سے زیادہ طاقتور بننا پڑے گا۔ مسلمان کو چاہیئے کہ فی الآن اقتصادی محاذ قائم کرے اور پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی تجارت کا جال پھیلا دے۔ جب مسلمان اقتصادی جنگ میں ظفریاب ہوگا تب پاکستان حقیقت کا [illegible] جائے گا۔

پاکستان صحیح معنوں میں تبھی فتح ہوگا جب اس کی تجارت اور اس کا زر بازار مسلمان کے ہاتھ آئے گا۔ صرف سیاسی تحریک سے حاصل کیا ہوا پاکستان دیرپا نہ ہوگا۔ البتہ سیاسی پاکستان سے اقتصادی پاکستان کہیں زیادہ دیرپا ہوگا۔ سیاسی پاکستان کے پہلو بہ پہلو اقتصادی پاکستان کا قیام نہایت ضروری ہے۔

اس وقت لوہا گرم ہے۔ چوٹ لگانے سے چوکنا نہ چاہیئے۔ مسلمان تجارت کی داغ بیل ڈال دے۔ ایگی [illegible] وزارتوں سے مراعات حاصل کرے۔ حکومتی تعاون اور جماعتی سرپرستی سے فائدہ اٹھائے۔

تجارتی انقلاب میں مسلمان کی نصف سے زیادہ تکالیف کا علاج مضمر ہے اور جب یہ تکالیف جاتی رہیں گی تو پاکستان کے حصول میں داخلی یا خارجی کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہوگی۔

تجارتی سیاست مسلمان کی ملی تعمیر کا غیر منفک ذریعہ ہے۔ اس سے بے نیاز رہ کر مسلمان منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ تجارتی تعمیر سے ہیں تب ہی استقلال حاصل لینا مسلمان کا مقدس فرض ہے۔

مدرسین اور گرانی

گرانی کے اس بحرانی دور میں مدرسین کا مفلس طبقہ جس مصیبت میں مبتلا ہے اس کا تذکرہ دردناک ہی نہیں بلکہ شرمناک بھی ہے یہی وہ طبقہ ہے جس نے ہمیں اور آپکو علم کی روشنی دکھائی کیا وہ اس [illegible] کے عوض [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جدا ساتذہ ہڑتال پر ہیں انکے مطالبات فوراً تسلیم کرے

ایک بس کمپنی

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ گجرات کی پنجاب بس لمیٹڈ بڑے اچھے طریقے سے کام چلا رہی ہے ہمیں ان لوگوں سے بڑی ہمدردی ہے جو ملک کے گوشے میں تجارت کی نئی راہ پیدا کرتے ہیں اور عوامی انداز سے کاروبار کو ترقی دیتے ہیں۔ مرزا اللہ دتہ (مینجنگ ڈائریکٹر) میاں برکت علی، میاں محمد اکبر فاروقی میاں فضل الہیٰ، مرزا رحمت اللہ، چودھری فتح علی، میر محمد سلطانی محمد دین، سرائن داس، غلام حسین اور چودھری عطا محمد تعریف کے مستحق ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بعض احباب کی وساطت اور ذاتی کوشش سے اسکیم کو کامیاب بنایا۔

ادارہ

برگ و ساز کائنات از وحدت است
اندریں عالم حیات از وحدت است

مسلمان کی قسمت جاگی۔ اسے ایسا رہبر کامل مل گیا جسے دنیا کی کوئی طاقت کسی قیمت پر نہ خرید سکی جس کا ارادہ پربت سے بڑھ کر اٹل ہے۔ جسے کسی کی عیاری دھوکا نہیں دے سکتی۔ جو سیاست میں سب کا استاد ہے جس نے گاندھی کی فریب کاریوں کو طشت از بام کیا، جس نے آزاد کو اس کی ایمان فروشی کے ہاتھوں منہ کے بل گرایا، جس نے قوم پرستوں کا زور توڑا اور اکثر کو کانگرس کے پنجے سے چھڑا کر اپنے ساتھ ملایا اور جس نے ہر مخالفانہ وار کا جواب کمال تدبر سے دیا۔

آج مسلمان میں جو جذبۂ ایثار ہے جوش ایمان، بیداری اور اخوت ہے یہ سب حضرت قائداعظم کی مخلصانہ خدمتوں کا متبرک ثمر ہے۔ انہوں نے مسلمان کو ڈسپلن سکھایا، اس میں خود اعتمادی پیدا کی اور اسے اپنے حقوق سے آشنا کیا۔ اسے پاکستان کی راہ پہ گامزن کیا۔

قوم متحد ہو چکی ہے اور یہ وقت ہے تعمیر کا۔ یہ زمانہ ڈائرکٹ ایکشن کا ہے ڈائرکٹ ایکشن مستقل طور پر مسلمان کی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہے گا۔ مسلمان عارضی حکومت میں شریک ہو یا اس سے گریز کرے۔ وزارتی مشن کی تجاویز کامیاب ہوں یا ناکام رہیں مسلمان ڈائرکٹ ایکشن ترک نہیں کر سکتا۔ جہاں تک ڈائرکٹ ایکشن کا تعلق اقتصادی ترقی سے ہے، مسلمان ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے گا۔ ہندو نے اسی کے ذریعے عروج پایا اور مسلمان بھی اسی کے ذریعے اپنی مالی دقتوں کا مداوا کرے گا وقت کی مصلحتیں اگر انداز ہوں سیاسی تقاضے ڈائرکٹ ایکشن کی شکل میں رد و بدل کریں لیکن اس کا اقتصادی پہلو کسی صورت تبدیل نہیں ہو سکتا یہ اٹل ہے۔

حضرت قائداعظم کی یہ تحریک مسلمان کی اقتصادی خوشحالی کا پیش خیمہ بن کر رہے گی۔

پاکستان میں مسلمان کے لئے تجارتی سہولتیں بدرجہ موجود ہیں۔ پاکستان نہایت زرخیز ملک ہے۔ اس کا بیشتر کاشتکار مسلمان اس کا خریدار مسلمان اس کی زمینداری پہلے سے مسلمان کے قبضے میں چلی آرہی ہے اور یہ آج کے تجارتی تعمیر نو کے حق میں نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں پاکستان میں خام اجناس بکثرت موجود ہیں۔ آسانی سے ڈیری چلائی جا سکتی ہے جہاں سے دودھ، گھی، مکھن اور پنیر مہیا کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں روغن، بسکٹ، صابن، دیا سلائی، لکڑی — عمارتی اور صنعتی، آٹے، چمڑے، چائے، گڑ، کپڑے، کاغذ، فلم، دوائیاں، اینٹ، چونے، پتھر، سیمنٹ، کل پرزوں، ٹرانسپورٹ وغیرہ کی صنعت اور تجارت چلانے میں کافی آسانی ہے بہتیرے چھوٹے چھوٹے کاروبار سرمایہ کی کمی کے باعث ترقی سے محروم ہیں۔ ان میں وہ ورکشاپیں شامل ہیں جہاں ڈھلائی خراد یا مرمت کا کام ہوتا ہے۔ سرمایہ بڑھا کر انہیں بڑی بڑی کارگاہوں میں بدلا جا سکتا ہے۔ بنک، صرافے اور انشورنش کے کاروبار کی طرف فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے — بین الاقوامی تجارت — درآمد برآمد اور ایکسچینج میں مسلمان کے لئے بڑی گنجائش ہے کیونکہ بعض اہم بندرگاہیں پاکستان میں واقع ہوئی ہیں۔ ان صنعتوں اور تجارتوں کے چلنے کے بعد مسلمان کو مستقل، پائیدار ٹھوس زندگی نصیب ہو گی جو نسلاً بعد نسلٍ قائم رہے گی اور آنے والا دور اسے گزند نہ پہنچا سکیگا۔

تاجر بن کر مسلمان اپنی ملت اور جماعت کو مضبوط کریگا تاجر مسلمان ہر طرح غیر تاجر مسلمان سے قوی تر ہوگا اور نسبتاً آسانی سے پاکستان حاصل کر لے گا۔

پاکستان اور تجارت دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے

چالاک ہندو نے اپنے مفاد اور اپنی برتری کی خاطر نادان مسلمان کو آلۂ کار بنایا۔ گاندھی کا مطلب پورا ہو گیا۔ ولائتی کپڑے کی جگہ دیسی کھادی پہنی جانے لگی۔ احمد آباد میں ہندو کے سرمایے نے گونج پیدا کی۔ بڑی بڑی کارگاہیں ہندو کی عظمت اور ہیبت کا نشان بن گئیں۔ ہر قسم کی صنعت اور تجارت ہندو کے ہاتھ میں آ گئی۔ برلا، گوڈوڈیہ اور ڈالمیا پیدا ہوئے۔ کم فہم مسلمان نے دوسروں کو طاقتور بنا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا۔

مسلمان کی مدد سے ہندو بادشاہ بن گیا۔ ولائتی مال کے بائیکاٹ سے ہندو کا مال منڈی میں چل گیا۔ کپڑے، کاغذ، فلم، بینکنگ، انشورنس اور صرافے وغیرہ کا کاروبار ہندو نے سنبھال لیا۔ مسلمان بے خبر رہا۔ ہندو منزل کی طرف تیزی سے قدم بڑھاتا گیا۔ حالت یہ ہو گئی کہ خالص اسلامی آبادیوں میں روزمرہ کے کاروبار اور دکانداری کے لئے بھی ہندو ہی کو موقعہ ملا۔ آج بھی اسلامی علاقوں اور محلوں میں ہندو بنئے کا وجود مل جائیگا۔ مسلمان کی محتاجی اور بے حسی کی یہ آخری حد ہے۔

مسلمان مدتوں بے وقوف بنا رہا۔ ہندو نے ایک جانب تعلیمی ترقی کی، دوسری جانب سرکاری ملازمت سنبھال لی اور تیسری جانب تجارت پر قابو پا لیا۔ ہندو کے پاس سرمایہ آ گیا اور اس کے ساتھ اثر و رسوخ بھی۔ مسلمان جس نے ہندو کے شانہ بشانہ ہو کر تیسری طاقت سے مقابلہ کیا وہی ڈھاک کے تین پات رہا۔ اسے نہ علم ملا نہ ملازمت اور نہ تجارت۔ فائدے کے وقت ہندو نے ہمیشہ مسلمان کو فراموش کیا اور تعصب سے کام لیا۔ ہندو خوشحال غلام اور مسلمان بدحال غلام بن کر رہ گیا۔

اس پر بھی مسلمان کا ایمان کا امتحان رہا۔ ہندو نے ترنگے جھنڈے کے سائے میں اپنی تنظیم کی اور تجارت کے ذریعے تھوڑے تھوڑے پیسے سے مسلمان کو خریدنا شروع کیا۔ ہر بڑی شخصیت کا منہ پیسے سے بند کر لیا اور اسے اپنا نام لیوا بنا لیا۔ آزاد اور مدنی بک گئے اور ان کی دیکھا دیکھی کتنے ہی اور نیلام ہو گئے۔ مسلمان نے بندے ماترم اور جے ہند کے نعرے لگائے۔ ہر یجن تحریک کی حمایت کی۔ اکھنڈ بھارت کے حق میں آواز بلند کی، اردو کے گلے پر چھری چلوائی۔ اپنی زبان اور اپنے عمل سے اپنے حقوق کو کفرستان میں دفن کر دیا۔ اپنی حمیت اور حریت کو سپرد خاک کیا۔ اپنا مفاد ترک کیا۔ کبھی ہندو کے مسلم کش رویے کے خلاف احتجاج نہیں کیا۔ اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان کیا۔

اب بات حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ قدرت کو جوش آیا۔ جبریل غیب کا پیغام لایا جسے شاعر مشرق رح کی ملہمانہ زبان نے ادا کیا۔ اس پیغام میں مسلمان کی زندگی کا راز مضمر تھا۔ شاعر مشرق رح نے مدنی کی غلامانہ اور قوم پرستانہ ذہنیت کا پردہ چاک کیا۔ قرآنی فلسفہ پیش کیا۔ ہندی مسلمان کی نشاۃ الثانیہ کا یہاں سے آغاز ہوا۔ شاعر مشرق رح نے بتایا کہ مسلمان کی تہذیب، مسلمان کی معاشرت، مسلمان کی تعلیم، مسلمان کی روایات، مسلمان کا ملی فلسفہ اور مسلمان کا مذہب مختلف ہے۔

یہ عین تائید ایزدی تھی کہ اسی نازک موقعے پر جناح کے دل میں نور ایمان پیدا ہوا۔ مسلمان نے انہیں قائداعظم تسلیم کیا۔ حضرت قائداعظم نے مسلمان کی مردہ رگوں میں جان ڈالی۔ اسے غیرت دلائی۔ اسے بیدار کیا۔ رب لایزل کا کرم ہوا۔ ذلت کا دور انتہا تک پہنچ کر تمام ہوا۔

حضرت قائداعظم نے مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم کی اور نہائت قلیل عرصے میں اسے دس کروڑ انسانوں کی آواز بنا دیا۔ حضرت قائداعظم نے ملت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو یکجا کیا اور شاعر مشرق رح کی اس صداقت کو عملی جامہ پہنایا۔

ملتِ اسلامیہ کا نیا دور

(پاکستان کے اقتصادی انقلاب کی تفصیل)

وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے
اقبالؒ

از قلم:- رحمن مذنب

نوٹ:- یہ مضمون "احسان" کی ۱۰ اور ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں عزیز مصری کے نام سے چھپا ہے۔ یہ میرا ہی نام ہے جسے میں نے غلطاً تبدیل کیا ہے۔ یہ مضمون وقت کی اہم ضرورت کے باعث دوبارہ پیش کیا جاتا ہے۔
(رحمن مذنب)

جب انگریز ہندوستان میں آیا تو اس نے مغل بادشاہوں سے تجارتی مراعات مانگیں۔ یہ مراعات اسے دے دی گئیں۔ اس نے ساحلی علاقوں میں تجارتی مرکز قائم کئے اور ملک کے طول و عرض میں اپنے لئے اقتصادی اقتدار کی راہیں پیدا کرنے لگا۔ جوں جوں اس کی تجارت بڑھتی گئی توں توں زر بازار اس کے اختیار میں آتا گیا۔ اس کی طاقت میں اضافے کی صورت نکل آئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے ملک کی سیاسی بساط پر اپنے مہرے جما دیئے۔ اس نے تجارتی رسوخ سے اپنا عسکری نظام مرتب کیا اور وہ مغلوں کے مقابلے پر آ ڈٹا۔ اس نے حکومت وقت کو کھوکھلا کر دیا اب انگریز کی تجارتی سیاست بے کھٹکے پروان چڑھنے لگی۔

رفتہ رفتہ دلی دربار کی شان بے نشان ہو گئی۔ ہندوستان پر انگریز کا سیاسی اور اقتصادی تسلط ہو گیا۔ لال قلعے پر یونین جیک لہرانے لگا۔ انگریز نے کمال بے دردی سے مسلمان کو نیم جان کیا۔ اس کی اسپرٹ، اس کا کلچر اور اس کا نظام تعلیم [illegible] مسلمان [illegible] ہوشمندی سے اپنی [illegible] تعلیم [illegible] ترجیح دیگر مسلمان سے اس کی بے باکی اور جرأت چھین لی۔ اب مسلمان بے دست و پا ہو کر رہ گیا۔ تخت گیا، تاج گیا، نام گیا، ناموس گئی ؎

وضو کو مانگ کے پانی نہ کر خجل مجھ کو
یہ مفلسی ہے تیمم کو گھر میں خاک نہیں

مسلمان حاکمیت کے درجے سے گر کر محکومیت کے درجے پر پہنچ گیا۔ ادھر یورپ میں کلوں کا دور شروع ہوا۔ تجارت کا دائرہ پہلے سے کہیں زیادہ وسیع ہونے لگا۔ دستکاریاں معدوم کر دی گئیں اور کلوں کی ساختہ اشیاء منڈی میں آ گئیں۔ انگریز نے وطنی مال کی کھپت کے لئے ہندوستان کو اپنی منڈی بنایا اور امپیریل پریفرنس (IMPERIAL PREFERENCE) یعنی جبری ترجیح قانون سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اقتصادی مفاد کے تحفظ

پر آتی جاتی دکھائی دیتی ہیں۔ آج غریب کسانوں کی آنکھوں میں اثر دکھائی دے رہا ہے۔ آج کارکنوں کو پچھاڑنے کے منصوبے خاک میں ملتے دکھائی دے رہے ہیں۔ آج سیاسی مداریوں کے ہتھکنڈے بیکار ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ کیوں

اس لئے کہ

پنجاب کا ایک ایک مسلمان پاکستان کے لئے قربان ہونے کو مضطرب ہو رہا ہے۔ وہ نظام حکومت بدلنا چاہتا ہے۔ وہ سماجی ادوار بدلنا چاہتا ہے وہ موجودہ اقتصادی نظام میں انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے وہ بیں اور تو کے اقتیازات کو ختم کرنا چاہتا ہے وہ محنت اور مزدوری کا پورا پورا معاوضہ چاہتا ہے۔ وہ زبانی وعدوں اور عملی کام میں تفاوت سے آگاہ ہو چکا ہے۔ آج اسلامی پرچم جینڈ لڈالوں۔ خان بہادروں یا ٹھیکہ داروں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے۔ آج ہر بڑا بوڑھا۔ بچہ اور جوان مسلمان سمجھ چکا ہے کہ اسلام کا ہلالی پرچم ہر مسلمان کی میراث ہے جو اسے رسول عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا ہے۔ آج زمین سے آسمان تک پاکستان زندہ باد۔ مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے گونج رہے ہیں۔ آج زندگی زندگی بن چکی ہے۔ حقیقت حقیقت کا جامہ پہن چکی ہے۔ امیری غریبی کے قدموں میں جھکنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ زمینداری کسانوں کے دوارے کے چکر لگانے پر مجبور ہو رہی ہے سماج اپنا نظام بدل رہا ہے۔ مسلم ریاست کے نئے حدود جز پرانے بتوں کو ڈھانے کے لئے ابھار رہے ہیں اور وقت صاف نظر آ رہا ہے جب کام کرنے والوں کو صلہ ملے گا۔ اور ہم مسلم لیگی مخلص کارکنوں کو یہ نوید دیتے ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب آپ کی قدر قوم پہچانے گی اور آپ پر الزام لگانے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائینگے

مسلمانوں کا
واحد
نمائندہ
ماہنامہ شکر گنج کا مطالعہ
کرنا ہر مسلمان کا
فرضِ اوّلین ہے

اناج ۔ شکایت آئی ہے کہ تحصیل پھالیہ (گجرات) میں عوام کو گندم اس کمیابی اور بڑھتے چڑھتے بھاؤ سے ملتی ہے کہ یہ ان کی بساط سے کہیں زیادہ ہے۔ امراء کا ذکر نہیں لیکن غربا کے لئے یہ قلت کی موت ہے جو انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے مقامی حکام کا پہلا فرض ہے کہ وہ عوام کی خوراک کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھیں۔

ادارہ :-

رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۹۳۹

ادب، سیاست اور معاشیات کا مرقع

ماہنامہ شکر گنج لاہور

ادارہ تحریر
رحمٰن مذنب
سید ذاکر حسین مشہدی

نگران
سید ذاکر حسین مشہدی

بابت ماہ نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۴۶ء

باہتمام میر فضل علی شاہ پرنٹر و پبلشر نے عالمگیر پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر شکر گنج میکلوڈ روڈ لاہور سے شائع کیا۔

ماہوار رسالہ　شکر گنج　لاہور

راشٹریہ سیوا سنگ

کافی عرصہ سے راشٹریہ سیوا سنگ کا ذکر اخبارات میں آرہا ہے۔ اس فسطائی جماعت کی امن سوز سرگرمیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ ان کی پراسرار نقل و حرکت ملک کے امن کے لئے مستقل خطرے کی شکل اختیار کئے جارہی ہے۔ رات کی تاریکیوں میں جھنڈے کی سلامی۔ اور ہر خطرناک اور مہیب قسم کے ہتھیاروں سے اپنے آپ کو ملبس رکھنا۔ فرقہ وارانہ فسادات کو شروع کرنے کے لئے ہر لحظہ تیار رہنا غرض بالکل نازی جرمنی کی طرح یہ جابرانہ تحریک ہر عزت دار اور امن پسند شہری کے لئے خوف و ہراس کا سامان مہیا کر رہی ہے۔ آیئے ہم آج اپنے قارئین کو اس جابرانہ اور فسطائی تحریک کا کچھ پس منظر اور کچھ اس کی حالیہ شکل بتا دیں۔

یہ تحریک مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیاسی جذبہ کو ختم کرنے کے لئے ناگپور (سی۔پی) میں وجود میں آئی تھی۔ ان کا نعرہ ہے ہندی۔ہندو۔ہندوستان یعنی ملک ہندوستان ہمارا ہے اس میں صرف ہندو رہ سکتے ہیں اور ہماری زبان ہندی ہوگی۔ اس کے علاوہ جو کوئی بھی اس ملک میں رہنا چاہے گا۔ اسے ہندوؤں کا اجیر بن کر رہنا ہوگا۔ طاقت ہی ایسا حربہ ہے جس سے ہم ہر طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو ہندوستان کے صفحہ سے کالعدم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہندو طاقتور بنیں۔ آتشگیر مادوں۔ بموں۔ اسلحہ سے مسلح رہ کر ہم مسلمانوں کو ختم کر سکتے ہیں۔ یہ ہیں وہ عزائم جن کو پیش نظر رکھ کر سنگ دن رات پراسرار طور پر ترقی کر رہا ہے۔

جب سے ملک کی فرقہ وارانہ فضا مکدر ہوئی ہے سنگ والوں نے وہ اودھم مچایا ہے۔ کہ انسانیت لرز کر رہ گئی ہے بہار کے ہر زہ گداز واقعات ہندوستانی تہذیب و تمدن کے روشن ماتھے پہ کلنک بن کر رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ اور اس انسانیت سوز ڈرامے کے ہیرو ہمارے راشٹریہ سیوا سنگ کے سپوت کہلاتے رہیں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا حکومت ہند اور ہمارے اس اداریہ کی مخاطب حکومت پنجاب خاموش رہ کر اس متوازی جماعت کی امن سوز سرگرمیوں کے فروغ میں معاون رہے گی۔ یا امن عامہ کی دعوے دار کولیشن وزارت اس نازی جماعت کی سرکوبی کیلئے میدان میں آئے گی۔

خاکسار تحریک ایک بے ضرر تحریک تھی۔ صرف قواعد کرنا اور وہ بھی منظر عام پر یہی چیز حکومت پنجاب کو نہ

ھائی اور اسے فسطائی تحریک قرار دے کر کچل دیا گیا کیا وہ حکومت پنجاب آج بالکل حالات سے بے خبر ہو چکی ہے۔ یا اس کے سامنے ایسی رُوپہلی مصلحتیں ہیں۔ کہ جو سیوا سنگ جیسی وحشیانہ تحریک کو دیکھ رہی ہے۔ اور خاموش ہے۔ خاکساروں کا بیلچہ لے کر چلنا اسے گوارا نہیں تھا۔ اور دن دہاڑے گولیوں کی بوچھاڑ سے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مگر وہ جماعت جو بالکل نازی جرمنی کے اصولوں پر طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ملک میں قتل عام جاری رکھنے کے لئے اور فرقہ وارانہ فضا کو خراب کرنے کے لئے میدان میں نکل چکی ہے۔ جس کے پاس ایسے ہتھیار ہیں کہ ایک شخص ہاتھ میں سپرنگ دار آلہ رکھ کر اس کا بٹن دبا کر اپنے سامنے ۱۰۰ فٹ تک درخت میں بھی سوراخ کر سکتا ہے اور وہی سپرنگ اس کے پاس دا پس آ سکتا ہے۔ اور اس طرح اکیلا شخص سینکڑوں آدمیوں کو گھائل کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی کے انڈوں میں ایسے کیمیاوی اجزا جمع گئے ہیں کہ جو خاندانوں کی تباہی کا موجب ہو سکتے ہیں دستی بم۔ تیز دھار کے آلے۔ غرض ایسی بے شمار خلاف قانون اشیا کو اپنے قبضہ میں رکھ کر یہ گروہ کھلے بندوں کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کو بے نقط گالیاں دیتا پھرتا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو جب بہار میں جا کر فسادات روکنے کی تقریر کرتے ہیں تو اسی گروہ کے من چلے سوّر سے ان کی ٹوپی تک پاؤں میں روند دیتے ہیں۔ یہاں لاہور کے دفتروں میں کام کرنے والے کلرک علی الاعلان مسلمانوں کو گالیاں دیتے ہیں اور ملک کے سیاسی رہنماؤں کو مغلظات سناتے رہتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں راتوں رات ایک شہر سے دوسرے شہر میں گشت لگاتے پھرتے ہیں۔ اور اسی طریق سے فضا میں خوف و ہراس پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ کیا حکومت پنجاب ان سب واقعات سے بے خبر ہے یا اس کی مجبوریاں ہی ایسی ہیں۔ کہ ان سُور بیروں کے مقابلہ کی اس میں تاب نہیں سارا زور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کے ہاتھوں اختیارات کی تلوار دینے تک بس ہے، اگر حکومت پنجاب ان واقعات سے بے خبر نہیں تو کیا ہم وزیر اعظم ملک خضر حیات صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ کیا ان کی اسلام دوستی صرف مسلم لیگ کی مخالفت اور مسلم نیشنل گارڈ کی وردی پر پابندیاں عائد کرنے تک ہی ہے یا یہ کہ امن و امان کی حفاظت بھی، اگر ان کا جواب یہ ہے کہ وہ سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر صوبہ میں امن اور چین چاہتے ہیں تو وہ کیوں راشٹریہ سیوا سنگ کو خلاف قانون قرار دے کر اس کے ممبروں کے گھروں کی تلاشی کے احکام جاری نہیں کرتے۔ جہاں سے انہیں اس قدر اسلحہ ہاتھ آئے گا کہ حکومت کے لئے لاکھوں روپوں کی بچت ہو سکے گی۔

ہم پنجاب کے ہندو اور مسلمان عوام سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ صوبہ کے امن کے لئے میدان میں نکلیں اور ایسی خوفناک تحریک کو دبانے کے لئے ہمارا ساتھ دیں۔ آج زمانہ جمہوریت کا ہے۔ نازی ازم جرمنی کی خاک میں دفن ہو کر رہ گئی ہے اور اس آگ کی اس چنگاری کو جو ہندوستان میں سُلگ رہی ہے باہم مل کر دبا دیں تاکہ جس طرح جرمنی کی نازی ازم نے دنیا کے امن کو تہ و بالا کیا تھا یہ چنگاری ہمارے ملک کے امن اور چین کو برباد نہ کر سکے۔ آج زمانہ تیل دیکھنے کا نہیں ہے۔ بلکہ اصولوں کی جانچ پڑتال کا ہے۔ اگر خاکسار تحریک کو ختم کیا جا سکتا ہے تو کیوں اس سے لاکھ درجہ خطرناک تحریک راشٹریہ سیوا سنگ کا قلع قمع نہیں کیا جا سکتا۔

تجارت اور مسلمان

پاکستان کا نعرہ بہت دیر تک فضا میں ہی گونجتا رہا۔ اور عام مسلمانوں نے سمجھا کہ محض سیاسی جدوجہد سے پاکستان حاصل ہو جاوے گا۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی قوم اس وقت تک اپنے مقصد کو پا نہیں سکتی جب تک اس کی اقتصادی حالت مضبوط نہ ہو۔ دوسری طرف انہوں نے برادران وطن کا تجارتی فروغ دیکھا۔ انگریز سرمایہ دار اور ہندو سرمایہ دار کے گٹھ جوڑ نے جو فضا ملک کے اندر پیدا کی۔ وزارتی مشن کی ہندوستان میں آمد اور وزارتی مشن کی سکیم کے سلسلے میں برطانوی حکومت کی بدعہدی کو دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ جب تک ملک کی اقتصادیات پر ہمارا قبضہ نہیں ہوگا۔ اس وقت تک دوسری قومیں ہماری طاقت کو تسلیم نہیں کرینگی۔ چنانچہ آج مسلمان بحیثیت القوم تجارت کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ بڑے بڑے سرمایہ دار مسلمان کچھ پہلے ہی سے تجارت میں تھے اب اور ترقی کر رہے ہیں۔ مگر ہماری مشکلات کا حل چند بڑے بڑے کارخانہ داروں کے مزید کارخانے قائم کرنے میں نہیں بلکہ عام مسلمان جب تک تجارت میں پورے زور شور سے نہیں داخل ہوتا اس وقت تک ہماری قوم غریب ہی رہے گی۔

سرمایہ دار خواہ ہندو ہو یا مسلمان مزدور کے حقوق کا غاصب ہی رہے گا۔ اس کی ساری سیاست اپنی ذاتی تجارت کے فروغ تک ہی محدود رہے گی اور قوم کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ مشکلات کا شکار ہی رہیں گے۔ لہذا ضرورت ہے کہ عام مسلمان جائنٹ سٹاک کمپنیاں کھولیں۔

محنتی۔ تجربہ کار اور مخلص لوگ آگے آئیں۔ اقتصادی بنیادوں پر مضبوط کمپنیوں کو فروغ دیں۔ بے کار مسلمان بھائیوں کو کام پر لگائیں۔ ان کے لئے عمدہ رہائشی انتظامات کریں۔ اُجرتوں میں اضافہ اور مزدوروں کے بچوں کے لئے تعلیم و حفظان صحت کے انتظامات کریں۔ اور اس طرح باہمی تجارت کو فروغ دے کر پاکستان کی منزل کو قریب لا دیں۔ صرف اونچے طبقہ کے لوگوں کی طرف دیکھتے رہنا اور ان کے ذاتی و شخصی کارخانوں یا ملوں میں کام کرنے سے نہ تو قوم کی غریبی میں کمی آسکتی ہے اور نہ مزدوروں کی سماجی حالت بہتر ہو سکتی ہے۔

ہمیں یہاں اس امر کے اظہار سے بھی مسرت ہوتی ہے۔ کہ کچھ مخلص اور تجربہ کار لوگوں نے تجارت کے اس نئے دور کی ابتدا کر دی ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ایسی کمپنیوں کے حصے خود بھی خریدیں۔ اور عام مسلمانوں کو اس طرف ترغیب دیں تاکہ ہم بھی چند سال تک ہمسایہ قوم کا ہمسر ہونے کا دعوے کر سکیں۔ غریبی۔ ایمان۔ مذہب۔ غیرت اور عزت کی دشمن ہوا کرتی ہے۔

اداریہ

مسلم لیگی کارکنوں کا مستقبل

قومی تحریکوں میں ریڑھ کی ہڈی مخلص کارکن ہوا کرتے ہیں۔ تحریکوں کو زندگی بخشنے والے۔ لیڈروں اور عوام میں رابطہ پیدا کرنے والے۔ نعروں کو عملی جامہ پہنانے والے اور سیاست میں صحیح ولولہ پیدا کرنے والے کارکن ہی ہوا کرتے ہیں۔

جب ہم مسلم لیگ کی موجودہ سیاست کو دیکھتے ہیں اور پچھلے دو سالوں کی جدوجہد پر بھی نگاہ ڈالتے ہیں لیڈروں اور عوام کے تعلقات پر غور کرتے ہیں۔ تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر مسلمان نوجوان نہ ہوتے تو مسلم لیگ کبھی ۱۹۴۶ء کی انقلابی مسلم لیگ نہ بن سکتی۔

ہمارے انتھک اور مخلص قومی کارکنوں نے تحریک میں جوش پیدا کیا۔ پاکستان کا نعرہ ایک ایک مسلمان تک پہنچایا اور رجعت پسندوں کو ترقی پسند بنایا۔ لیکن جب انتخابات جیتے جا چکے۔ نوابوں وزیر زادوں اور سرمایہ داروں کو اسمبلی کی ممبریاں مل گئیں۔ آئین ساز اسمبلی کی ممبریاں تقسیم کی جا چکیں۔ مسلم لیگ کے عہدے بانٹ لئے گئے۔ عارضی حکومت میں وزارتیں مل چکیں۔ تو امیروں خاندانی نوابوں، سر اور خان بہادر زادوں نے مسلم لیگ کی تنظیم کو وراثت سمجھ کر کارکنوں سے ہتک آمیز سلوک روا رکھنا شروع کر دیا ہے۔ مسلم لیگ کے انتخابات ملتوی ہو چکے ہیں۔ مگر صدارت کے عہدہ کے بھوکے سیاسی بازیگر ابھی سے اپنے چیلے چانٹوں کو تنظیم پر قابض بنا رہے ہیں۔ وہ نوجوان مسلم لیگی کارکن جنہوں نے ملت کی خدمت کی خاطر۔ کاروبار۔ ملازمتوں۔ جاہ و منصب کو لات ماری اور اسلام کی سربلندی کیلئے عملی میدان میں آ گئے جنہوں نے دن رات ایک کر کے تنظیم میں یکرنگی اور مضبوطی پیدا کی۔ آج ان کو ذاتی ملازم سمجھ کر نادرشاہی احکام دیئے جا رہے ہیں۔ اسلامی مساوات کا خون کر کے ڈکٹیٹرشپ قائم کرنے کی کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔ خود غرض۔ لالچی۔ اسمبلی کی ممبری کے خواب دیکھنے والوں کو اپنے ارد گرد جمع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تا اصلی کارکنوں کو نکال کر باہر کیا جائے اور مسلم لیگ کی ساری تنظیم پر یہ غاصب قابض کر دیئے جائیں۔

پنجاب میں ایسے واقعات رونما ہونے لگے ہیں۔ ذاتی اغراض رکھنے والے مالشئے لیڈر ننگے ہو رہے ہیں۔ غریبوں اور کسانوں کو ٹاؤٹ۔ ڈکٹیٹر اینڈ ہیری کہہ کر مسلم لیگ کی تنظیم سے دور کرنے کے ارادے ظاہر کئے جا رہے ہیں۔ اور مسلم لیگ کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اپنے حواریوں کے ہاتھوں میں دینے کی کوششیں تیزی سے شروع ہیں بہت جلد سارے پنجاب کے قومی کارکنوں کو بیک بینی و دو گوش تنظیم سے نکال باہر کیا جائیگا اور بالکل ہٹلرانہ انداز میں خود غرض لیڈر اپنے گٹھ پو قسم کے صاحبوں کو آگے لے آئیں گے۔

ہم سارے پنجاب کے ایماندار۔ حق گو اور دلیر مسلم لیگی کارکنوں کو بروقت انتباہ دیتے ہیں۔ کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔ مرکز میں تحریکات خوردہ لیفٹیننٹ لیگی جانے پہچانے مذہب کا نام لے کر اٹھ رہے ہیں۔

اور افراتفری پیدا کرکے اپنے اصلی دشمن مخلص لیگی کارکنوں کو تنظیم سے باہر نکالنے کے لئے اپنے گورنروں سے سازباز کر رہے ہیں۔

خدا کیلئے ہشیار ہوجائیے۔ پنجاب مسلم لیگ کی صدارت پر قبضہ کرنے کے لئے ... خطرناک قسم کی جوڑتوڑ کی جارہی ہے۔ کسی سرمایہ دار لیڈر سے مدد کی توقع نہ رکھنی چاہیئے بلکہ کارکن کو کارکن کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لینا چاہیئے۔ کارکن قوم کا قیمتی سرمایہ ہوا کرتے ہیں۔ اس سرمایہ کو چور چرانے والے ہیں۔ آپ اس انتباہ کو پوری توجہ دیں۔ وقت آنے پر ایسے خطرناک لوگوں کے چہروں سے نقاب اٹھا دیئے جائیں گے۔

اگر ہم غافل رہے تو ۱۹۴۶ء کی مسلم لیگ پھر سے سر سکندر کے وقت کی مسلم لیگ بن کر رہ جائیگی جس پر رشوت خوروں۔ رجعت پسندوں۔ خود غرض ٹولیوں کا قبضہ ہوگا۔ اور مسلم لیگی کارکن مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔

ہمارے عزائم

ہمارے قارئین یہ پڑھ کر خوش ہوں گے۔ کہ رسالہ شکر گنج اپنے دورِ جدید میں داخل ہو رہا ہے۔

(۱) اس کے چلانے کے لئے میں نے مسٹر نذر اکبر حسین مشہدی ــــــ اور مسٹر آر۔ ایچ شاہ سے اشتراک کر لیا ہے۔ اور اس رسالہ کو باقاعدگی اور نئی شان سے چلانے کے تمام انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔

---

(۲) رسالہ کی معنوی وصوری خوبیوں کے متعلق اتنا کہنا ہی کافی ہے۔ کہ ہم ٹائیٹل کو اگلے ماہ سے انتہائی حد تک دیدہ زیب بنا دیں گے۔ جونہی پریس کے انتظام بہتر ہونگے تو یہ بھی کر دیا جائیگا۔ عنوانات کی ترتیب اس نکتہ نظر سے کی جائے گی کہ سیاسی مواد کے علاوہ علمی۔ مذہبی۔ ادبی۔ صنعتی اور خواتین اور بچوں کے متعلق چیزیں بھی آجائیں۔

آپ کا تعاون ہی ہمارے عزائم کی تکمیل کا ضامن ہے۔ اس کی اشاعت کی توسیع رسالہ کی بہتری کی دلیل ہے۔

(پیر فضل علیشاہ)

کچھ اپنی سیاست کے متعلق

پاکستان نے ہمیں آزادی اور جمہوریت کے ایک نئے تصور سے روشناس کیا ہے۔ وہ یہ کہ ہر چھوٹی قوم بڑی قوم کے تسلط سے آزاد ہوگی۔ سرمایہ داری کے استبداد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ایک محنتی مزدور فخر سے سر اونچا کر سکے گا۔ سال بھر کھیتی باڑی کرنے والا کسان بھی زمیندار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکیگا۔ دونوں کے درمیان اس وقت جو خلیج حائل ہے وہ پاٹ دی جائے گی۔ پیداوار کی مساوی تقسیم۔ نسلی و خاندانی امتیازات کا فقدان۔ امیر و غریب کا فرق معدوم۔ غرض یہ ہے وہ اسلامی تصور جو پاکستان نے اجاگر کیا۔ تیرہ سو سال کا ماضی جو غلامی نے ہمارے ذہنوں میں دھندلا کر چھوڑا تھا روشن نظر آنے لگا۔ مسلمان قوم نے ایک سیاسی کروٹ لی۔ انقلاب ہی انقلاب اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا۔ اس نے اپنے گردوپیش دیکھا ہر طرف ادبار ہی ادبار۔ ایک طرف نسلی امتیازات۔ ایک طرف سرمایہ داری کے خوفناک ارادے۔ ایک طرف زمینداری کا ہراس کن دبدبہ۔ ایک طرف قوم کے وہ افراد جنہیں ضروریات کے نام تک سے ناواقفیت۔ ایک طرف قوم کا وہ طبقہ جن کی زندگی ضروریات کے نیچے پسی ہوئی۔ ایک طرف نوکر شاہی کا نشہ آنکھوں میں۔ ایک طرف بیگار سے روزانہ ہونے والی تعذیب۔ ایک طرف غداروں کے غول کے غول ایک طرف ایمانداروں کے سہمے ہوئے چہرے۔ ایک طرف حکومت کی تلواریں ایک طرف شہری آزادی و حقوق کے خون آلود چہرے مضمحل کیا دیکھا۔ کائنات ہی بگڑی ہوئی۔ قوم کا ماضی دھندلکوں

میں ڈھکا ہوا۔ ایمان و ایقان کی بجلیاں کوندیں۔ نوجوان بپھرے۔ انہوں نے زندگی کے زاویے بدلے۔ ملازمتوں کو چھوڑا۔ آرام طلبیوں کو پچھاڑا۔ اور دیوانہ وار ریاست میں کود ے۔ غلام قوم کی سیاست میں۔ یہ دو سال ہونے کو آئے۔ پیہم جدوجہد کے دو سال۔ لیگ کے انقلابی سیاست کے دو سال۔ اجارہ داروں۔ سرمایہ داروں مخصوص مراعات رکھنے والے لیڈروں اور حکومت کے ازلی نمک خواروں کی سیاست کے دو سال۔ سیاسی مداریوں کے ہتھکنڈوں سے تنگ آئی ہوئی مسلمان قوم کی سیاست کے دو سال کتنے رازوں کے انکشاف ہیں یہ دو سال نوجوانوں کی جوانی لگا ہوا نے کیا کیا دیکھا۔ ان پر کس کس نے کیا کیا لیبل لگائے۔ جاہ و مسند کے پرستاروں نے لیگ کے عہدوں پر قبضہ جاری رکھنے کے لئے مخلص قومی کارکنوں کو ہراساں کرنے کے لئے کیا کیا اتہام لگائے کتنے سرٹیفکیٹ دیئے۔ ان کی راہ میں کتنے روڑے بکھیرے۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔ غلام قوموں میں سیاسی کارکنوں کو ایسی سب چیزوں کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ چنانچہ نوجوان اور مخلص مسلم لیگی کارکنوں نے سب ذلتیں سہہ لیں مگر پاکستان کے محبوب نصب العین کی دھن میں وہ سب کچھ سہتے اپنا کام کرتے چلے گئے اور آج جب پنجاب مسلم لیگ کی سیاست دو سال آگے نکل چکی ہے فضا میں امید ہی امید بکھری پڑی ہے۔ سرمایہ داری کے بادل چھٹ چکے ہیں۔ مزدوروں کی شنوائی کا وقت نزدیک پہنچ رہا ہے۔ آج مزدوروں کے دروازوں

بیٹھا اپنی ایک رباعی گنگنا رہا تھا۔ جب نظام پہنچا تو اس نے پیالے پرانی سے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ "سیم وزر کے خوش آہنگ ٹھیکرے نظام کے پاس واپس لیجا!" خیام گل دوراں کے حسن سے عالی حال ہے۔ سنا ہے کہ نظام پرسن کر جل بھن گیا۔ لیکن وہ خیام سے ایک حرفِ شکایت نہ کہہ سکا۔ خیام کو اس نے ہمیشہ مسکراتی نظر سے دیکھا حالانکہ اس کے بے پناہ دبدبے سے ایران فارس سے کانپتا تھا۔

ا حلبی۔ وہ دل سوختہ، ناکام خیام ہمیشہ آوارہ رہا۔

ں دوراں۔ مجھے اعتماد ہے کہ اس کے دل میں اب ی میری جگہ ہے۔

ا حلبی۔ گل دوراں! اس نے تجھ سے بے وفائی کی۔

ں دوراں:۔ نہیں چچا! وہ بے وفا نہیں تھا۔

ا حلبی:۔ پھر؟

ں دوراں۔ بہت کم نے اُسے سمجھا۔ دراصل وہ رسوم و قیود کا مخالف، ریاکاری و ظاہرداری کا دشمن اور آزادی کا پرستار تھا۔ آزاد خیالی اور جنون سے اُس کے نفس کا خمیر بنا تھا۔ بارہا اس بے نظیر فلسفی کو میں نے اپنی آغوش میں نیم بیہوش پایا اور پھر اُسے یکایک میری کلائیوں کو جھٹکا دے کر، دارالنجوم کی جانب بے تحاشا بھاگتے دیکھا اور یوں بھی ہوا ہے کہ رات رات بھر قصر لولو میں الجبر والمقابلہ کی مقادیر حل کرتے کرتے جھلا اٹھا اور شمعیں گل کئے بغیر نسیم نیم شبی کی رو کے ساتھ ساتھ خاموش وادیوں اور لالہ زاروں میں نکل گیا۔ اس نے کبھی کسی عورت کو بیوی نہیں بنایا۔ لیکن کسی عورت نے اس سے نفرت بھی نہیں کی۔

ملا حلبی:۔ گل دوراں! یہ تعجب کی بات ہے۔

گل دوراں:۔ یقیناً! خیام عورت کی عزت کرتا تھا اور اس کی محبت کے لئے ہر قربانی پیش کرتا تھا میرے لئے اس نے اپنی قسمت کو ٹھکرا دیا لیکن جب قسمت نے اُسی کو ٹھکرا دیا تو ہم دونو ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اب شاید ہم کبھی نہ مل سکیں۔

ملا حلبی:۔ ممکن ہے کہ ملنے کی صورت پیدا ہو جائے نیشاپور کا غلام بازار اس سے اجنبی نہیں۔ وہ جب بہت گھبرا جاتا ہے تو یہاں آجاتا ہے

گل دوراں:۔ ہاں، ایسا بھی ہوا ہے۔ وہ یہاں آکر لونڈیاں خریدتا ہے۔ لیکن نہ جانے پھر کیوں انہیں اپنے احباب کے حوالے کر دیتا ہے جو اُن سے بیاہ کر لیتے ہیں۔

ملا حلبی:۔ شائد وہ اب بھی یہاں آئے کیونکہ وہ ملک شاہ اور نظام الملک طوسی کے انتقال کے بعد سے برگشتہ حال ہے۔

گل دوراں:۔ یا شائد وہ الموت کی جنت میں داخل ہو جائے۔ ابن صباح کو اس فلسفی اور حکیم کی اشد ضرورت ہے۔ اُس نے ہمیشہ خیام کو شرکت کی دعوت دی تاکہ حشیشی سازشیں کامیاب ہوں۔

ملا حلبی:۔ لیکن وہ ابن صباح کا حامی نہیں۔ وہ جید حکیم ہے جسے بو علی سینا کا مرتبہ حاصل ہے۔ وہ آزاد اور آوارہ ہے۔ اُس کی کسی سے بن نہیں آتی

گل دوراں:۔ اگر اس نے الموت کا رخ نہ کیا تو وہ نیشاپور کے غلام بازار میں ضرور آئے گا۔

ملا حلبی:۔ میرا خیال بھی یہی ہے۔

گل دوراں۔ لیکن، چچا! رات ختم ہونے کو نہیں آتی۔

ملا حلبی:۔ ہاں گل دوراں! پریشان زندگی میں راتیں لمبی ہو جاتی ہیں ۔

گل دوراں ۔ ہنوز صبح کاذب نہیں ہوئی ۔ زحل کا رنگ پھیکا نہیں پڑا ۔ کہکشاں تک نمایاں ہے یشمہ بھر آثار سحر پیدا نہیں ہوئے ۔

(بیک گراؤنڈ میں اذان کی آواز)

ملا حلبی:۔ اذان ہو رہی ہے ۔ گل دوراں! ہم ابھی ابھی حلب کی جانب روانہ ہو جائیں گے ۔

گل دوراں ۔ ابھی ابھی ؟

ملا حلبی ۔ ہاں گل دوراں! اور کیا ہ نیشا پور کے غلام بازار میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے ۔ ہمیں تجارتی سامان لانے کی غرض سے حلب پہنچنا ہے اب ہم جس قدر جلد پہنچیں، اچھا ہے ۔

گل دوراں ۔ لیکن ہم ابراہیم الخیام سے کیونکر مل سکینگے؟

ملا حلبی ۔ ہم لوٹ کر آئیں گے ۔ تب اس کا ملنا کیجیگے!

گل دوراں ۔ نہیں، چچا! ہم قدرے انتظار کریں! شاید وہ دو چار روز میں ادھر نکل آئے ۔

ملا حلبی ۔ نہیں گل دوراں! اس میں رہے تو ہم سے کارواں چھوٹ جائے گا! نماز کا وقت ہو گیا ۔ ہمیں کاروانسرائے کی مسجد میں پہنچنا ہے ۔ دشت ننگ کا قافلہ فجر کے بعد کوچ کر دے گا ۔ آؤ یہ سامان اور مندوقچہ بندے میں کس لیں!۔

گل دوراں ۔ چچا! ایک قافلہ کل بھی روانہ ہوگا ۔

ملا حلبی ۔ وہ رَے یا ترند کا رخ کریگا ۔

گل دوراں ۔ اگر عمر خیام ہمیں مل گیا تو ہم اُسے اپنے ہمراہ لے جائیں گے اور وہ میرا کہا مان لے گا ۔

ملا حلبی ۔ لیکن تیری آنکھوں میں وہ برق قیامت کہاں جو اب اس کے خرمن دل میں شرر پیدا کر دے؟

گل دوراں ۔ وقت گذر جاتا ہے لیکن پرانے زخم تازہ ہو جاتے ہیں، بھولی ہوئی باتیں یاد آجاتی ہیں دبی چنگاریاں سلگ اٹھتی ہیں اور پرانی محبت قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے ۔

ملا حلبی ۔ خیر، ہمیں اب جانا ہے! آ سامان باندھیں!

گل دوراں ۔ کم از کم آج کا ارادہ تو ملتوی کر دینا چاہیئے!

ملا حلبی ۔ گل دوراں! ہٹ! میں تمہارہ لیٹوں! تو بیکار باتوں میں پڑی ہے ۔

گل دوراں ۔ نہیں چچا! آپ کو صبر سے کام لینا چاہیئے

ملا حلبی:۔ خیر، (اونی بندہ سمیٹنے، گلنری ظروف کے گرنے پڑنے کی آواز)

(پانی گرا کر) باسی پانی کی ضرورت نہیں تمام ظروف آبی باب عتیق سے باہر چشمے سے بھر لیں گے ۔

گل دوراں ۔ آپ نے تو سامان باندھ کر پوری تیاری کر لی ۔

ملا حلبی ۔ ہاں بیٹی! اب چل دینا چاہیئے ۔

گل دوراں ۔ چچا! آج کا جانا میری منشا کے خلاف ہے

ملا حلبی:۔ ایک اسی پہ منحصر نہیں، بہتیری چیزیں ہونگی جو تیری منشا کے خلاف ہوں اور میری منشا کے موافق

گل دوراں ۔ آپ کو میرا خیال کرنا چاہیئے کیونکہ آپکے برادر بزرگ نے مرتے وقت مجھے آپکے سپرد کیا تھا اور تاکید کی تھی کہ آپ میری دلدہی کریں ۔

ملا حلبی ۔ ناسمجھ لڑکی! میں اپنا فرض پہچانتا ہوں ۔ میں نے تیری دلدہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی ۔ تجھے بے وجہ شکایت ہے ۔

گل دوراں ۔ آپ مجھے خیام سے ملنے نہیں دیتے ۔

ملا حلبی ۔ گل دوراں! اس میں تیری بھلائی ہے مجھے تیرے آرام اور تیری راحت کا خیال ہے خیام کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں ۔ وہ اب بیگھر اور آوارہ ہے ۔

گل دوراں۔ آپ کو معلوم نہیں۔ اس کے عروج کا زمانہ ہر وقت عود کر سکتا ہے۔ ابھی وہ بے گھر ہے لیکن ابھی وہ ترقی کی بلندترین منزل پر پہنچ جائے گا۔ میں اسے آئندہ آوارگی سے روک سکوں گی۔

ملا حلبی۔ گل دوراں! نقاب پہن! ہمیں سرزمین آفتاب سے بہت جلد نکل جانا ہے۔ اندھیرے میں کسی کے ادھر آنے کی آہٹ آرہی ہے۔ چل! نکلیں

گل دوراں۔ ذرا رک جائیے! اس اجنبی سے مل لیں! کہیں یہ عمر خیام نہ ہو۔

ملا حلبی۔ عمر خیام؟ (قہقہہ) عمر خیام۔ بلی کے خواب میں چھچھڑے۔ لے وہ آگیا۔

اجنبی۔ اسلام علیکم۔

ملا حلبی۔ وعلیکم السلام۔ شکر الحمدللہ کہ تم عمر خیام نہیں

اجنبی۔ عمر خیام؟ عمر خیام کہاں ہے؟

ملا حلبی۔ واللہ اعلم، ہمیں کچھ خبر نہیں۔

اجنبی۔ میں تین روز سے عمر خیام کے لئے سرگرداں ہوں۔

ملا حلبی:۔ وہ نیشاپور کا آوارہ نہ دس سرزمین آفتاب میں نہیں مل سکیگا۔

اجنبی۔ تم غلط کہتے ہو۔ وہ آج نیشاپور کے غلام بازار میں آئے گا۔

گل دوراں:۔ کیا یہ سچ ہے؟

ملا حلبی۔ چپ! ہمیں عمر خیام کا انتظار نہیں کرنا ہمیں جانا ہے۔ چل! بیٹی!

گل دوراں۔ نہیں چچا!

ملا حلبی:۔ بیٹی احمق مت بن! برادر من! خدا حافظ!

اجنبی۔ خدا حافظ! یا اخی! تم کہاں جا رہے ہو؟

ملا حلبی۔ حلب۔

اجنبی۔ تمہیں عمر خیام سے ملنا ہے؟

ملا حلبی۔ نہیں۔

اجنبی۔ یا اللہ! لیکن تمہارا نام کیا ہے؟

ملا حلبی۔ ملا حلبی۔

اجنبی۔ ملا حلبی؟ ملا حلبی۔ یہ نام تو میں نے سنا ہے عمر خیام ہی کی زبان سے۔ ملا حلبی! تم ابھی مت جاؤ! ذرا رکو!

ملا حلبی۔ (فاصلے سے) نہیں، نہیں۔ مجھے رکنے کی ضرورت نہیں۔

اجنبی۔ خیر (اپنے تئیں) دن نکل آیا۔ یہ کون آرہا ہے میری جانب؟

بڑھیا۔ صاحبزادے! میں ایک بڑھیا ہوں، بڑھیا تجربہ کار اور مردوں کی مددگار۔ حیرت ہے کہ تم نیشاپور کے غلام بازار میں مجھ سے واقف نہیں۔

اجنبی۔ خالہ! میں نیشاپور کے غلام بازار میں نووارد ہوں

بڑھیا۔ (قہقہہ) خوب! سنو! ذرا کان لگا کر (فاصلے سے پازیب کی دھیمی دھیمی آواز اور نغمہ!!!)

یہ دھیمی دھیمی دلکش صدائیں حوروں کے نغمے ہیں جو سحر و کرشمہ کے سانچے میں ڈھالی گئی ہیں۔ زندگی انہیں زیب دیتی ہے، حسن ان کی ملکیت ہے اور نغمہ ان کا کمال ہے۔ ان کے پیارے پیارے گیت اس لائق ہیں کہ نوجوان انہیں سنیں اور فریفتہ ہو جائیں۔ آؤ! میں تمہیں ان حوروں کی فردوس میں لے جاؤں۔

اجنبی۔ خالہ! مجھے ان حوروں سے معاف رکھو! میں تو عمر خیام کی تلاش میں ہوں۔

بڑھیا۔ تمہارا کیا نام ہے؟

اجنبی۔ میرا نام۔ تم میرا نام کیوں پوچھتی ہو؟

بڑھیا۔ یونہی۔ یعنی یہ جاننے کے لئے کہ تم کون ہو۔

اجنبی۔ میرا نام پوچھنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

بڑھیا۔ خیر تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم اس کے دوست ہو کہ دشمن؟
اجنبی:۔ میں اس کے محترم دوست کا قاصد ہوں۔ میں
اس کا دشمن نہیں۔
بڑھیا۔ نیک خوب است۔ آج کل اس کے دشمن بتعداد
کثیر پیدا ہو گئے ہیں۔ مجھے اس کے دشمنوں
سے نفرت ہے۔
اجنبی۔ آج شنید ہے کہ عمر خیام نیشاپور کے نلام
بازار میں آنے لگا۔
بڑھیا۔ کیا یہ سچ ہے؟
اجنبی۔ ہاں سچ ہے۔
بڑھیا (ہنسی) خیر بیٹا آج اگر عمر خیام آ گیا تو میری
حوریں اس کے دل کو گدگدا دیں گی۔
بڑھیا۔ بیٹا میں جاتی ہوں ابھی پھر آؤں گی۔
(شور۔ سازندوں کی دھنیں۔ تین نفر کی آمد اور
قہقہوں کی گونج)
اجنبی۔ آخاہ یا خواجہ السلام علیکم۔
عمر خیام:۔ او ہو درویش تم کہاں؟
اجنبی۔ یا خواجہ آپ کی تلاش میں ہوں۔
عمر خیام۔ خوب آفتاب مرزا تم انہیں جانتے ہو؟
آفتاب مرزا۔ شاید نہیں۔
عمر خیام۔ اور باباشیرازی تم؟
شیرازی!۔ میں (نفرت انگیز ہنسی) ہاں جانتا
ہوں۔ یا خواجہ ذرا یہاں سامان رکھ دوں پھر
بتاتا ہوں کہ یہ حضرت کون ہیں۔ (سامان پٹکنے کی آواز)
عمر خیام۔ خیر خیر تم رہنے دو سامان لگاؤ! آفتاب مرزا!
یہ ہمارے مرحوم مربی نظام الملک طوسی کے
اور میرے ہم سبق دوست حسن بن صباح کے
مرید شہید احمری ہیں۔
شہید احمری:۔ راست گفتید یا خواجہ!

باباشیرازی۔ لاحول ولا! سگ الموت کا نام لے دیا۔
آپ نے، یا خواجہ! اور وہ بھی احتراماً۔
عمر خیام۔ بابا لاؤ میرا قالیچہ!
باباشیرازی۔ میں خود ہی بچھائے دیتا ہوں، یا خواجہ!
آپ تشریف رکھئے!
عمر خیام۔ بس بس، بابا! رہنے دو! اب میں بیٹھ جاؤں
گا آفتاب مرزا اور تم شہید احمری آؤ! بیٹھو! معاف
کرنا! یہاں چنداں تکلیف کا موقعہ نہیں۔ دن
ڈھلتا ہے شام تک ہم لوگ یہاں سے اصفہان
چلدیں گے۔
شہید احمری۔ میں آپ سے ملنے آیا تھا۔ آقا نے مجھے
اس غرض سے بھیجا ہے کہ آپ کو الموت جانے
کی دعوت دوں۔
باباشیرازی۔ الموت؟ اعوذ باللہ من ذالک خواجہ
وہاں بھول کر نہیں جائیں گے!
عمر خیام۔ ہاں۔ برادر من! باباشیرازی نے سچ کہا۔
مجھے الموت نہیں جانا۔
آفتاب مرزا۔ آپ کو الموت کی فضا راس نہ آئے گی
آپ کو سکون کی زندگی بسر کرنا چاہیئے پریشانی کے
بہتیرے دن دیکھے ہیں۔
عمر خیام۔ ہاں، پریشانی بے حد دیکھی ہے۔ تمام سختیاں
ہو گزریں۔ اب تاب نہیں کہ سختیوں کا از سر نو
مشق بنوں۔
شہید احمری۔ آقا کا قول ہے کہ سختیاں آیا کرتی ہیں
دل توانا رکھنے کی ضرورت ہے سختیاں کامیابی
کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔
عمر خیام:۔ یہ درست ہے لیکن پیہم صدمات نے میرا دل
چھلنی چھلنی کر دیا ہے چاہتا ہوں کہ چند روز جوئبار
اور لالہ زار کے کنارے گذاروں تاکہ صدمات پرانے

— ہو جائیں اور زخم خوردہ دل توانا ہو جائے!

بابا شیرازی۔ یا خواجہ! آپ کی بجائے کوئی اور ہوتا تو بےدم ہو کر رہ جاتا۔

عمر خیام۔ ابھی میرے زخموں سے خون ٹپک رہا ہے میرا دارالنجوم سپردِ آتش کر دیا گیا اُس کے شعلے کتنے خوفناک تھے طوفان باد کے تیز جھونکوں نے اُن میں برق پیدا کر دی۔ شعلے سرد ہو چکے لیکن میرا دل جل رہا ہے۔

شہید احمری۔ یا خواجہ! بہت برا ہوا۔ آقائے الموت آپ کے دارالنجوم کو علوم حقیقی کا سرچشمہ خیال کرتے تھے۔

عمر خیام۔ میرے بےنظیر مسودے جل کر خاک ہو گئے لیکن یہ سب جہالت تھی۔ بفضلِ الٰہی میرا حافظہ کافی تیز ہے۔ مجھے اپنے مسودوں کا ایک ایک حرف یاد ہے لیکن کیا عجب ہے کہ اب مجھے فراغت نہ ملے اور میں ان کی ازسرِنو تدوین نہ کر سکوں۔ یہ سب میں نے سکون اور فرصت کے اوقات میں کیا تھا۔ اب وہ ناپید ہیں!

شہید احمری۔ آقا کا فرمان ہے کہ افسوسناک واقعات کی طرف ذہن منتقل نہیں کرنا چاہیئے!

عمر خیام۔ لیکن یہ واقعات ایکدم نہیں بھلائے جا سکتے۔ انہیں صرف وقت میرے حافظے سے محو کرے گا۔ بدقسمتی سے میرا حافظہ بھی بلا کا تیز ہے۔ میں نے بڑی عرق ریزی سے اقلیدس اور الجبر والمقابلہ کے دقیق ترین مسائل حل کئے۔ ان کے مسودے تلف ہونے کا صدمہ ہے۔

بابا شیرازی۔ خیر! اب غم غلط کیجئے! تفریحات میں دل لگائیے!

عمر خیام۔ ناقدری اور عامی تعصب نے مجھے تباہ کیا۔ میں نے علوم کا ما یہ ناز انبار لگا دیا تھا۔ آہ! میری ریاضی کی جگر سوزی برباد ہوئی۔ اب میری یادگار کیا ہے؟

شہید احمری۔ آپکی یادگار؟ آپ کی حکمت۔ آقائے الموت اسی لئے آپ کی شرکت کے طلبگار ہیں

عمر خیام۔ حکمت کی انتہا استفہام ہے۔

بابا شیرازی۔ آپ کی یادگار نجوم کا کمال ہے۔

آفتاب مرزا۔ آپ کی یادگار علم ہندسہ کی مہارتِ تامہ ہے جس کا اعتراف نظامیہ بغداد کے اساتذہ کر چکے ہیں۔

عمر خیام۔ میری یادگار کچھ بھی نہیں۔ فقط دو ہی رباعیات اور پریشان زندگی۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو میری یادگار وہ قبر ہو گی جس پر بہار ہمیشہ گل افشانی کرے گی۔

بابا شیرازی۔ یا خواجہ! یہ باتیں ختم کیجئے!

عمر خیام۔ بابا! انہوں نے مجھے ختم کر دیا ہے۔

شہید احمری۔ یا خواجہ! آپ ختم نہیں کئے جا سکتے اس لئے کہ آقائے حسن بن صباح کا ارشاد ہے کہ حکیم عمر خیام حادثات سے زیادہ جری ہے آپ واقعی جری ہیں۔

عمر خیام۔ لاریب! یہ کلام خالی از مبالغہ ہے۔

شہید احمری۔ اگر آپ الموت کی فردوس میں چلیں تو آپ کا غم غلط ہو جائے گا۔ وہ بارگاہ جمال ہے اور وہاں آپ کے لئے آزادی ہے۔

عمر خیام۔ ایک آوارہ گی پسند کی گنجائش قید و بند میں نہیں۔ مجھے طائر قفس کی طرح پھڑپھڑانا نہیں بلکہ شاہین کی طرح پرواز کرنا ہے جس کے لئے فضا اور خلا درکار ہے الموت میں فضا اور خلا کا تخیل محدود ہے۔ خیر یہ بے کار باتیں ہیں اب کیا کیا جائے؟

آفتاب مرزا۔ دل بہلانے کی تدبیر۔ برادرم! تمہاری گھبراہٹ کا علاج تفریح ہے۔

عمر خیام۔ شاید نیشاپور کا غلام بازار سے واپس آئے ورنہ۔

شہید احمری۔ ورنہ آپ المَوت چلئے!

عمر خیام۔ ہاں، احمری! میں لبیک کہتا ہوں۔ تاہم میرا ٹھکانا ایک اور بھی ہے۔

آفتاب مرزا۔ حکیم! وہ کونسا؟

عمر خیام۔ مرو کا ایک تاریک کوچہ جس کی روشنی ایک پری جمال، حور تمثال، ماہرو قندیل کے دم سے قائم ہے۔

بابا شیرازی۔ حجتہ الحق! میں جان گیا۔ آپ کی مراد گل دوراں سے ہے۔

عمر خیام۔ بابا شیرازی راست گفتہ۔

شہید احمری۔ وہ کون حسینہ ہے؟ یا خواجہ!

عمر خیام۔ ملا حلبی کی برادرزادی۔

شہید احمری۔ ملا حلبی؟

عمر خیام۔ ہاں۔ ملا حلبی جو زر پرست ہے لیکن اسے خبر نہیں کہ حسن کا درجہ زر سے بڑھ کر ہے۔

شہید احمری۔ لیکن، یا خواجہ! ملا حلبی مرو میں نہیں ہے وہ آج ہی حلب روانہ ہوا ہے۔

عمر خیام! حلب؟

شہید احمری۔ ہاں آج سحر گاہ وہ یہیں تھا۔ اسی دکان کے نیچے۔ یہ جلتی جھاڑ لکڑیوں کی آگ اسی نے سلگائی تھی۔

عمر خیام۔ تو کیا وہ تنہا تھا؟

شہید احمری۔ نہیں اس کے ہمراہ گل دوراں تھی۔

عمر خیام۔ آہ! وہ آفتاب عالمتاب اب کہاں ہے؟

شہید احمری۔ حلب کی سمت اس کا رخ ہے۔

عمر خیام۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ نیشاپور کی شعاعیں سمٹ کر حلب کو کھینچ رہی ہیں۔ آؤ ہم وہیں چلیں!

آفتاب مرزا۔ نہیں، برادرم! ہم بڑی گردش کر چکے ہیں رات بھر فرسنگوں مسافت طے کی۔ اب نڈھال ہو چکے ہیں۔

عمر خیام۔ نہیں، تم نے غلط کہا۔ میری رگوں میں ہنوز حرارت ہے میں اب بھی گل دوراں کی خاطر حلب جا سکتا ہوں۔

آفتاب مرزا۔ یہ محض خیال باطل واہمہ ہے۔ حلب ملک شام میں ہے اور شام یہاں سے کوسوں دور ہے۔

شہید احمری۔ یا خواجہ! میرا اندازہ ہے کہ واپسی پر ملا حلبی اور گل دوراں یہاں قیام کریں گے۔

آفتاب مرزا۔ ایسا ہی ہے تو ہم اصفہان نہیں جاتے یہیں گل دوراں کا انتظار کر لیتے ہیں۔

عمر خیام۔ لیکن اس انتظار کی تاب کس میں ہے مرزا!

آفتاب مرزا۔ کیوں برادرم؟

عمر خیام۔ ہم اگر حلب نہیں تو سہ پہر تک گل دوراں کو جا لیں گے۔

بابا شیرازی۔ یا خواجہ! ابھی پہلی تھکان دور نہیں ہوئی ایسے میں پھر سفر کیا تو بیمار پڑنے کا قوی اندیشہ ہے۔ آپکو یاد ہوگا کہ ایکمرتبہ آپ بلخ کے کوچۂ بردہ فروشاں میں سخت بیمار پڑے تھے۔ زندگی کی امید کم ہو گئی تھی۔ بمشکل تمام صحتیاب ہوئے

عمر خیام۔ خیر خطرات میں کودنا کم ہمتی نہیں۔ اصل زندگی خطرات ہی میں ہے۔

آفتاب مرزا۔ تاہم، برادرم صبر کرو! چند روز یہیں دل بہلاؤ! گل دوراں یہیں آجائے گی۔

بابا شیرازی۔ یا خواجہ! ابھی تھوڑی دیر میں غلام بازار

حسن و کرشمہ کی جنت میں بدل جائیگا۔ نازک نازک بدن، گوری گوری عورتیں، دلربا چہرے، سرو سی قامتیں اور لطیف آوازیں آپ کے احساسات کو گدگدائیں گی۔

آفتاب مرزا۔ دیکھئے آمد و رفت شروع ہو گئی۔ خریدار اور بردہ فروش آنے لگ گئے۔

(تدریجی شور! آوازیں، پایل کی جھنکار، نغمات کی گونج، سازوں کی صدائیں)

عمر خیام۔ تمہاری بات مانی۔ یہیں وقت بسر کرتے ہیں لو! وہ ہماری جان پہچان والی بڑھیا آرہی ہے

بابا شیرازی۔ اس کے پاس ضرور کوئی بیکینڈ ہوگا۔

آفتاب مرزا۔ اس بھلے ہیں سے کوئی اسکی نگر نہیں کھاتا

بڑھیا۔ پائندہ باشی، خواجہ!

عمر خیام۔ خالہ! آج ہم تجھی سے ملنے آئے ہیں۔

بڑھیا۔ چشم ما روشن دل ما شاد، خواجہ! میں آپ کو مژدہ دوں کہ میرے ہاں ایک غلام ہے۔ کہنے سے زیادہ دیکھنے کے لائق ہے۔ حور اس سے شرماتی ہے۔

عمر خیام۔ خالہ! وہ حور کہاں ہے اور اس کا نام کیا ہے؟

بڑھیا۔ وہ ابھی سب کے سامنے جلوہ افروز ہو گی۔ میں اسے دلال کو سونپ آئی ہوں۔ اس کا نام شیریں ہے۔

عمر خیام۔ تو خالہ! تیری شیریں کو ہم بابا شیرازی کے لئے خریدیں گے (قہقہا)

بڑھیا۔ نہیں نہیں۔ خواجہ! بابا شیرازی کے لئے بہتر ہے کہ آپ مجھے خریدیں (قہقہا)

بابا شیرازی۔ چل ہٹ! ابھی میں جوان ہوں۔ بچۂ شیر ہوں (قہقہا)

بڑھیا۔ سچ کہا، بابا! تم نے! لیکن میری شیریں خواجہ ابراہیم الخیام کے لئے ہے۔ خواجہ؟

عمر خیام۔ کیوں، خالہ!

بڑھیا۔ شیریں سرزمین رے میں پیدا ہوئی اس نے جوانی کی کیف آور شراب کا لبریز پیمانہ پیا۔ بدمستی کی حالتیں میں اسے یہاں لے آئی۔

عمر خیام۔ خالہ! اس کی عمر کیا ہے؟

بڑھیا۔ خواجہ! وہ عالم غنچگی سے نکل کر گل شگفتہ بن گئی ہے

عمر خیام۔ کاش وہ مجھے ٹھیکرا لولو میں ملتی کہ اسے سیم و زر کا غرور نہ حاصل ہوتا۔

بابا شیرازی۔ اب بھی آپ کی قدر و منزلت سیم و زر سے کہیں زیادہ ہے۔

عمر خیام۔ یہ ضرور ہے کہ میں امیر نہیں۔ لیکن مجھے امارت کی خواہش نہیں، میں دولت مند نہیں، لیکن مجھے دولت کی طلب نہیں۔ میں مفلس ہی سہی لیکن افلاس مجھے راس ہے کہ اس میں آزادی ہے۔

بڑھیا۔ خواجہ! آپ ہرگز مفلس نہیں۔ غلام بازار کی ایک ایک خشت پر آپ کی فراخدلی کی مہر کندہ ہے۔ ذرہ ذرہ آپ کی فیاضی کا شاہد ہے۔

عمر خیام۔ خالہ! بولی کا وقت تو ہو لیا۔

بڑھیا۔ بس، وہ لیجئے نقارہ پٹا۔ (نقارہ، پازیب کی جھنکار، دلال نے بولی شروع کی)

دلال۔ نیشاپور کا غلام بازار آج پھر جوانی، حسن اور نغمے کا یہ کیف پیمانہ بننے کو ہے۔ اگر اسے پی لو تو زندگی کے چشمے نشیلے ہونے لگتے ہیں۔ کون بدذوق ہے جو اس نشے سے منہ پھیر لے (پازیب کی جھنکار) آپ کے سامنے شعلۂ قیامت ہے اسے برق محبت کہئے! ستاروں کی محفل سے اس نے تبسم لیا۔

عمر خیام۔ اس کا نام کیا ہے ؟

دلال۔ اس کا نام ؟ خواجہ! ماہ و انجم میں اسکی چمک ہے آفتاب میں اُس کی تمازت ہے۔ شمع محفل میں اسکی حرارت ہے برق میں اس کا رقص ہے۔ خواجہ اسکا نام شرارہ ہے۔

ایک خریدار۔ شرارہ؟ میرا دل سرد ہے شاید یہ گرما دے لاؤ میں دو صد دینار میں لیتا ہوں۔

دلال۔ دو صد دینار؟ (قہقہہ) اس پہ ماہ و انجم نثار دو صد دینار اس کے ایک تبسم کی قیمت ہے۔

دوسرا خریدار۔ یہ تعریف بیکار ہے۔ میں دو صد دینار اور ایک اونٹ دیتا ہوں۔

دلال۔ خوب۔ دو صد دینار اور ایک اونٹ۔

تیسرا خریدار۔ میں بڑھتا ہوں۔ دو صد دینار ایک اونٹ اور ایک قطعہ باغ۔

دلال۔ دو صد دینار، ایک اونٹ اور ایک قطعہ باغ خواجہ! اس سب کی میزانی قیمت ساڑھے تین صد دینار ہے۔ آپ اس سے کچھ زیادہ میں لے لیجئے!

عمر خیام۔ شرارہ مجھے راس نہیں۔ دل سوختہ خیام کو شرارہ نہیں چاہیے۔ میرا دار النجوم تو شرار دل کی نذر ہو چکا ہے کیا مجھے بھی اسکی نذر ہونا ہے

دلال۔ نہیں خواجہ! یہ شرارہ آپ کو نہ جلا سکیگا۔

عمر خیام خیر! اُسے آتشکدے میں لے جاؤ! وہاں بہتر شرارے ہیں۔ (قہقہہ)

ایک خریدار تم بے وجہ تعریف مت کرو! میں چار صد دینار پیش کرتا ہوں۔

دلال۔ ہنوز کم ہے۔

عمر خیام۔ مناسب پیشکش ہے۔

دلال۔ خواجہ آپکا فیصلہ منظور ہے شرارہ چار صد دینار

میں بک گئی۔ (نقارے کا شور اور دوسری آوازیں)

(پازیب کی جھنکار)

بڑھیا۔ خواجہ۔ اب شیریں کی باری ہے

عمر خیام۔ خوب!

دلال۔ خواجہ! اب بسلسلہ شیریں کیجئے!

عمر خیام۔ خیر۔

ایک خریدار۔ اسے میں لونگا تاکہ اسے شراب کا غسل دوں اور ..... اپنے ساتھ مستی میں غرق کر دوں۔

دوسرا۔ یہ میخانے کی ساقی گیری کریگی چھ صد دینار۔

تیسرا۔ میں اسے دلمیں جگہ دونگا۔ سات صد دینار

عمر خیام۔ میں اسکے نغمات سے شام و سحر کو بیدار رکھوں گا ہزار دینار۔

چوتھا خریدار میں اسے فلک بوس ایوانوں کی ملکہ بناؤنگا گیارہ صد دینار

عمر خیام زندگی کی جنت ایوانوں میں نہیں۔ جو نہر کے کنارے ہے بارہ صد دینار، تیرہ صد، چودہ صد، پندرہ صد۔

آوازیں پندرہ صد؟

دلال۔ پندرہ صد دینار خواجہ عمر خیام نیشاپوری کی محبوبہ۔

چوتھا خریدار۔ ابھی کسی کی محبوبہ نہیں۔ میں اسے پردہ نشین کرونگا ۱۶ صد دینار۔

عمر خیام۔ میں قصر کی آخری پونجی صرف کر سکتا ہوں سترہ صد اٹھارہ صد۔ انیس صد۔ دو ہزار۔

ایک خریدار۔ اب یہ جنون ہے۔

دلال۔ دو ہزار دینار خواجہ عمر خیام نیشاپوری کی محبوبہ

چوتھا خریدار۔ خواجہ کی برابری مقصود نہیں۔ شیریں خواجہ کی محبوبہ ہو گئی۔

عمر خیام۔ خیام کی محبوبہ۔

(دینار اور پازیب کی جھنکار جو بتدریج تیز ہوتی گئی۔)

سر اینڈرو۔ بے شک!

فیبین۔ بھلا اس سے بڑھکر اس کی محبت کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ وہ تمہیں چاہتی ہے۔

سر اینڈرو۔ کیا تم مجھے فی الواقعہ گدھا (احمق) بنا ڈالوگے۔

فیبین۔ میں ابھی ثابت کرتا ہوں۔ اس نے تمہارے سامنے اس نوجوان سے نرمی اور محبت کا سلوک اس لیئے کیا کہ تم بھڑک اٹھو، تمہاری خوابیدہ شجاعت پر یہ سلوک مہمیز کا کام کرے۔ تمہارے دل اور جگر گرما جائیں اس وقت تم کو میری مالکہ سے کچھ بولنا چاہیئے تھا، اور اپنے مزاحیہ جملوں سے اس نوجوان کو ساکت کرنا چاہیئے تھا تاکہ اس کی زبان گنگ ہوجاتی، تم سے اسی کی امید کی جاتی تھی، مگر تم نے اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیا۔ اگر تم میری مالکہ کی محبت حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر کسی ایسے موقع کا انتظار کرو اور اپنی شجاعت یا ڈپلومیسی (شاطرانہ چال) کا ثبوت دو۔

سر اینڈرو۔ ہاں شجاعت ہوسکتی ہے۔ لیکن ڈپلومیسی کو میں نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، میں خوشی سے BROWNIST[*] ہوجاؤں لیکن ڈپلومیسی کی حرکت مجھ سے سرزد نہیں ہوسکتی۔

سر ٹوبی۔ تو پھر کیا ہے، شجاعت پر اپنی قسمت کی دیوار کھڑی کرو کونٹ کے خادم کو لڑنے کا چیلنج دو، اس کے بدن کو گیارہ جگہ زخمی کرڈالو میری بھتیجی ان سب باتوں پر غور کریگی اور ایک عورت کے خیال میں شجاعت سے بڑھکر مرد کے لئے کوئی طرۂ امتیاز نہیں۔

فیبین۔ بس یہی ایک ذریعہ ہے۔

سر اینڈرو۔ کیا تم دونوں میں سے کوئی میرا چیلنج اسکو دے آدیگا۔

سر ٹوبی۔ جاؤ اور غصہ کا ایک خط لکھو، مختصر ہو لیکن چبھتا ہوا۔ فصاحت و بلاغت ہو تو کوئی حرج نہیں، خوب طعنہ زنی کرو، اس کو خوب، تو تو کرو۔ اور جتنی دروغ بیانیاں تمہارے کاغذ میں سما سکیں لکھ ڈالو، اگر کاغذ ویر WARE کی تہہ کے اتنا بھی لمبا چوڑا ہو تب بھی یہ سب لکھ ڈالو، جاؤ اور اسکو اشہب قلم کی ٹھوکریں لگادو۔

(سر اینڈرو چلا جاتا ہے)

فیبین۔ یہ خط بھی ایک پر لطف چیز ہوگا۔

سر ٹوبی۔ بڑا ہی بزدل ہے، اگر اس کا بدن کاٹا جائے اور اس کے جگر میں اتنا خون بھی ملے جس سے ایک چھوٹی مکھی کا پیر آلودہ ہوسکے تو میں اس کی پوری لاش کھانے کے لئے تیار ہوجاؤں۔

(میریا داخل ہوتی ہے)

میریا۔ اگر چاہتے ہو کہ ہنستے ہنستے پیٹ پھٹ جائے اور اسکو رفو کرنے کی ضرورت ہو تو میرے ساتھ آؤ، وہ احمق میلوولیو عجیب عجیب حرکتیں کررہا ہے۔ کوئی عیسائی بھی ان کافر شعاریوں کو اپنے لیئے روا نہیں رکھے گا وہ زرد موزے پہنے ہوئے ہے۔

---

[*] ۔ براؤن BROWNE کی تعلیمات کی پیروی کرنیوالا۔ روبرٹ براون (۱۵۵۰ — ۱۶۳۱) ایک انگریز پیوریٹن تھا اس کی تعلیم یہ تھی کہ ہر کلیسا کی ایک مستقل آزاد اور مکمل ہستی ہے اور وہ پوپ کی حکمرانی سے بے نیاز ہے۔

سرٹوبی ۔ اور صلیب نما موزہ بند بھی ہے۔

میریا ۔ ہاں بدمعاش وہ بھی لگائے ہے۔ وہ اس خط کی تمام باتوں پر حرف بحرف عمل کر رہا ہے۔ وہ اپنی مسکراہٹ سے اپنے چہرہ پر اتنی لکیریں پیدا کر رہا ہے۔ کہ دنیا کے نئے نقشہ میں بھی جسمیں Indies[1] کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اتنی لکیریں ہونگی تم نے ایسا تماشہ کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ ضرور میری مالکہ اسکو ٹھونکیگی، اور وہ احمق اسکو بھی نوازشِ لطف و کرم سے تعبیر کریگا۔

سرٹوبی ۔ چلو چلو۔

تیسرا سین۔ایک گلی

سبیسٹین اور انٹونیو داخل ہوتے ہیں۔!

سبیسٹین ۔ میری مرضی ہرگز یہ نہ تھی کہ آپ تکلیف اُٹھائیں لیکن آپ اپنی مرضی سے یہ تکلیف برداشت کر رہے ہیں۔ اسلئے میں آپ کو نہیں روک سکتا۔

انٹونیو ۔ میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا، ملک کا یہ حصہ اجنبیوں کے لئے اکثر خطرناک ہو جاتا ہے۔ چونکہ آپ ناتجربہ کار ہیں اس لئے میں آپکے ساتھ ہو گیا۔

سبیسٹین ۔ میں آپ کا بیحد مشکور ہوں، ذرا شہر کی پرانی یادگاروں کو چل کر دیکھا جائے۔

انٹونیو ۔ کل، آج جا کر اپنے رہنے کی جگہ دیکھ آئیے۔

سبیسٹین ۔ میں تھکا نہیں ہوں، رات آنے کو ابھی بہت دیر ہے۔ پہلے میں اس شہر کی مشہور یادگاروں کے نظارہ سے اپنی آنکھوں کو سیر کروں

انٹونیو ۔ تو مجھے معاف کیجئے، ان گلیوں میں میں بیخوف ہوکر نہیں چلتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک بحری جنگ میں میں نے ڈیوک کے آدمیوں کی خوب خبر لی تھی۔ اس لئے میری جان یہاں خطرہ میں ہے۔

سبیسٹین ۔ تو آپ کھلم کھلا باہر نہ نکلیں۔

انٹونیو ۔ ہاں یہ مناسب نہیں ہے۔ اچھا تو میرے روپے کی تھیلی لے لیجئے۔ جنوبی مضافات میں ہم لوگ ELEHHANT نامی سرائے میں ٹھہرینگے، میں کھانے کا انتظام کرتا ہوں اور آپ شہر کی سیر کیجئے اور معلومات میں اضافہ کیجئے۔

سبیسٹین ۔ تو پھر یہ روپیہ کی تھیلی کس لئے۔

انٹونیو ۔ اگر کوئی چیز پسند ہو جائے تو اپنے لئے خرید لیجئے گا۔

سبیسٹین ۔ میں ایک گھنٹہ میں واپس آ جاؤنگا۔

انٹونیو ۔ یاد رہے ELEHLANT میں۔

سبیسٹین ۔ ہاں مجھے یاد ہے۔

---

[1] ۔ دریافت انڈیز کے بعد نئے نقشہ میں اسکا اضافہ کر دیا گیا تھا۔

چوتھا سین ——— اولیویا کا باغ

اولیویا اور میریا داخل ہوتی ہیں

اولیویا ۔ میلوولیو کہاں ہے ؟

میریا ۔ وہ آرہا ہے ۔ لیکن ایک عجیب طریقہ سے، ضرور اسکو آسیب کا خلل ہوگیا ہے ۔

اولیویا ۔ واقعہ کیا ہے ؟ کیا وہ پاگلوں کی طرح بکتا ہے ؟

میریا ۔ وہ صرف مسکراتا رہتا ہے ۔ وہ پاگل ہوگیا ہے اسلئے جب وہ آئے تو چند آدمیوں کو آپ کی حفاظت کیلئے رہنا چاہئے ۔

اولیویا ۔ جاؤ اسکو بلالاؤ ۔ میں بھی اسی کی طرح پاگل ہوں ۔

(میریا چلی جاتی ہے)

میریا میلوولیو کو ساتھ لئے ہوئے داخل ہوتی ہے

میلوولیو ۔ تم کیسے ہو ۔

میلوولیو ۔ حسین مالکہ، ہا ہا ہا

اولیویا ۔ تم مسکراتے کیوں ہو ؟ میں نے تم کو ایک غمناک موقع پر بلایا ہے ۔

میلوولیو ۔ میں بھی غمگین ہوسکتا ہوں ۔ اس صلیب نما موزہ بند لگانے سے خون میں رکاوٹ ہوجاتی ہے ۔ لیکن ہُوا کرے، اگر یہ کسی کے آنکھوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے تو میں کیوں نہ لگاؤں ۔ کیا یہ کہاوت نہیں ہے کہ ایک خوش تو جہاں خوش ۔

اولیویا ۔ یہ کیسی بہکی باتیں کر رہا ہے ۔ ؟

میلوولیو ۔ میرا دماغ سیاہ نہیں ہوا ہے اگرچہ میرے پاؤں زرد ہیں ۔ لیکن میں تو تعمیل حکم کر رہا ہوں، میں اس حسین تحریر کو خوب پہچانتا ہوں ۔

اولیویا ۔ تم سونے جاؤگے یا نہیں ۔

میلوولیو ۔ سونے رے میری پیاری دلبر، میں ابھی تیرے پاس آتا ہوں ۔

اولیویا ۔ تو اتنا مسکراتا کیوں ہے ؟ اور اپنے ہاتھ کو اتنا چومتا کیوں رہتا ہے ۔

میریا ۔ تم اس مضحکہ انگیز بے حیائی سے کیوں مالکہ کے سامنے آتے ہو ؟

میلوولیو ۔ "اس برتری سے گھبرا نہیں" خوب ہی لکھا ہوا تھا،

اولیویا ۔ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے ۔

میلوولیو ۔ بعض برتر پیدا ہوتے ہیں ۔

اولیویا ۔ ہا ہا ۔

میلوولیو ۔ بعض برتری حاصل کرتے ہیں ۔

اولیویا ۔ تم یہ کیا بک رہے ہو ؟

میلوولیو ۔ "اور بعضوں پر عظمت چپکا دی جاتی ہے" ۔

اولیویا ۔ اللہ رحم کرے ۔

میلوولیو ۔ یاد کر کسی نے زرد موزے پہننے کے لئے کہا تھا ۔

اولیویا ۔ زرد موزے !

میلوولیو ۔ اور صلیب نما موزہ بند لگانے کو کہا تھا ۔

اولیویا ۔ صلیب نما موزہ بند !

میلوولیو ۔ "اگر تو بڑا بننا چاہتا ہے تو بن"

اولیویا ۔ یہ کیا بول رہا ہے ۔

میلوولیو ۔ "اور اگر نہیں چاہتا ہے تو غلام بنکر رہ"

اولیویا ۔ یہ بالکل مخبوط ہو گیا ہے۔

(نوکر داخل ہوتا ہے)

نوکر ۔ کونٹ اورسینو کا آدمی آیا ہوا ہے۔ اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

اولیویا ۔ میں ابھی اس کے پاس جاتی ہوں (نوکر چلا جاتا ہے) میریا، اس شخص کی نگرانی کرو۔ چچا ٹوبی کہاں ہیں؟ ہمارے چند نوکر اس شخص کی نگہبانی کرتے رہیں۔

(اولیویا اور میریا چلی جاتی ہیں)

میلوولیو ۔ اچھا! اب میری نگرانی کو سر ٹوبی آتے ہیں۔ وہ انکو صرف اسی لئے بھیج رہی ہیں کہ میں ان سے نوک جھونک کروں، ہو بہو خط کی باتوں کے مطابق کام ہو رہا ہے۔ وہ خط میں مجھکو نوک جھونک کی تائید کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے "اپنی ناچیز کینچلی پھینک ڈال رشتہ داروں سے نوک جھونک کر، نوکروں پر خفا ہو، تیری زبان پر جاہ و جلال کی باتیں ہوں۔ ایک غیر معمولی انسان نظر آنے کی کوشش کر" اور ابھی جب وہ جانے لگی تو اس نے مجھے میلوولیو یا خادم نہیں کہا۔ بلکہ اس شخص کے لقب سے پکارا "اب تو مجھے ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ میں اپنے مقصد سے ہمکنار ہونگا۔ میرا دامن گوہر مراد سے پر ہو گا۔ یہ سب اللہ کی رحمت ہے۔

(میریا سر ٹوبی بلش اور فیبین کیساتھ داخل ہوتی ہے)

سر ٹوبی ۔ وہ کہاں ہے؟ اگر دوزخ کے تمام بھوت پلیت بھی اسپر سوار ہوں، اگر شیطان بھی مسلط ہو تب بھی میں اس سے جاکر گفتگو کروں گا۔

فیبین ۔ وہ تو یہاں ہے۔ کہو کیسے ہو۔

میلوولیو ۔ دور رہو! میں تم لوگوں سے ملنا نہیں چاہتا ہوں۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ دور ہو!

میریا ۔ دیکھنا! بھوت کیونکر بولتا ہے۔ سر ٹوبی، میری مالکہ نے کہا ہے کہ آپ اس کی نگرانی کریں

میلوولیو ۔ ہا ہا ہا۔ کیا اسنے یہ کہا ہے؟

سر ٹوبی ۔ نرمی سے پیش آنا چاہئے۔ میلوولیو، تم کیسے ہو؟ ۔ شیطان کا مقابلہ کرو، وہ بنی نوع انسان کا دشمن ہے،

میلوولیو ۔ جو بول رہے ہو اس کا مطلب سمجھتے ہو؟

میریا ۔ دیکھا نا۔ شیطان کی برائی کے تذکرہ پر کیسا خفا ہو گیا۔ اللہ رحم کرے، کہیں اسکو آسیب کا خلل تو نہیں۔

میلوولیو ۔ جاؤ بھی، تم سب پھانسی پر چڑھ جاؤ، تم سب بیکار بے مغز انسان ہو۔ میرا عنصر تمہارے عنصر سے مختلف ہے۔ آئندہ اس کو بہتر سمجھو گے۔

(چلا جاتا ہے)

سر ٹوبی ۔ کیا یہ ممکن ہے؟

فیبین ۔ اگر یہ تماشہ کسی اسٹیج پر ہوتا تو میں اسے ایک فرضی افسانہ سمجھتا۔

سر ٹوبی ۔ اے روشنی طبع تو بر وے بلا شدی۔

میریا ۔ اس کا پیچھا کرو، ایسا نہ ہو کہ بھانڈا پھوٹ جائے۔

فیبین ۔ ہم لوگ اس کو پاگل بنا دینگے۔

میریا ۔ تب کچھ آرام نصیب ہو گا۔

سر ٹوبی ۔ اس کو ایک اندھیری کوٹھری میں بند کر دینگے اور اسکو باندھکر وہیں چھوڑ دینگے۔ میری بھتیجی کو یقین ہو ہی گیا

×

کشمکش

از - جناب مرتضیٰ افضل علی

سمندر کا کنارہ، ایک چھوٹی سی کشتی، آفتاب عالمتاب اوس آتشیں گولے کی طرح اپنے برقی چہرے کو افق کے پردہ سے باہر نکال رہا ہے جس کی گرمی سرد ہو چکی ہو، اوس کی گلابی کرنوں نے سمندر میں گویا ایک قوس قزح سا پیدا کر ڈالا ہے۔ اس کشتی میں ایک انسان متفکر و حیران گھبرایا ہوا اور پریشان کھیتا ہوا ساحل سے رفتہ رفتہ دور ہو جاتا ہے، آفتاب بھی اپنی منزل طے کرتا ہوا سر پر آ پہنچا، ساحل بھی بہت دور چھوٹ گیا سمندر کی لہریں کھل کھلا کر کشتی کے ساز کو چھیڑ رہی ہیں۔ نیل گوں آسمان نہ جانے کس ہونیوالی بات پر مسکرا رہا ہے، آفتاب اپنی پر جلال آنکھوں سے اس انسان کے خیالات کا جائزہ لے رہا ہے۔ انسان کے دل میں کچھ عجیب سی ہل چل مچی ہوئی ہے۔ ساحل اس کو بلا رہا ہے سمندر اس کو روک رہا ہے۔ ایک طرف بحر محبت میں غرق ہو جانے کا شوق دوسری طرف مظلوم و مجبور مادر وطن کی خدمت کا ذوق۔ ایک طرف دلی جذبات کے ڈھلنے کا خیال دوسری طرف ملک و ملت کی محبت کا خون جوش مارتا ہوا۔ ایک طرف دل کی دنیا آباد دیکھنے کی تمنا دوسری طرف قومیت کے چاند کے ڈوبنے کا ڈر، اس خوف سے کہیں محبت برباد نہ ہو۔ دل کانپتا ہوا، اس اندیشہ سے کہیں وطن تباہ نہ ہو ضمیر تھراتا ہوا آنکھیں جھکی ہوئی، دست و پا اپنی اپنی جگہ پر بے حس و حرکت لیکن ساحل کی زبان پر وطن کی پکار اور ہر تڑپتے ہوئے ساز محبت کی جھنکار، دل اس طرف زور دے رہا ہے تو ضمیر اس طرف کھینچ رہا ہے۔ محبت کے خیالات اور قومیت کے جذبات میں جنگ ہے۔ بیچارہ انسان بڑی عجیب کشمکش میں ہے، سمندر کی لہریں کشتی کا دامن نہیں چھوڑتی کہتی ہیں، "تم محبت کے فرشتے ہو تم کو جانے نہ دینگے، ساحل دم توڑ رہا ہے وطن آخری سانس لیکر کہہ رہا ہے" آؤ آؤ ہمیں بلا سے بچاؤ ہم نے تمہیں پالا ہے"۔ محبت کی دیوی اس کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں، ادھر وطن کی جان کی خیر نہیں۔ کیا کرے بیچارہ انسان محبت کا پاک دامن چھوڑ اکر جنگ کے خونی سمندر میں کود کر وطن پر فدا ہو جائے یا وطن کو روتا چھوڑ کر محبت کی دیوی کی پوجا کرے "ایک طرف محبت ہے تو دوسری طرف غیرت، ایک طرف مروت ہے تو دوسری طرف فرض۔

آج کے حیا سوز تمدن سے بہت پہلے جب
یہ بناوٹی زندگی شروع نہیں ہوئی تھی۔ جس سے

ہم کو مشینوں کا غلام بنا رکھا ہے، جس نے انسانی حیات کی موسیقیت اور شعریت کو اپنی مصنوعی جاذبیت میں پھنسا کر گم کر دیا ہے۔ جہاں روحانیت مر چکی ہے اور نفسانیت غالب ہو چکی ہے۔

سے مبرا اسوقت جب انسان انسان تھا، مرد مرد تھے جب عورتیں اپنے شوہر پر قربان ہو جانا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ تعلیم جدید کے جراثیم کا وجود نہ تھا۔ وفاداری اور جانثاری کا دور دورہ تھا، بہادری اور ہمت کی حکومت تھی۔ محبت جو آج نفسانی خواہشات کا ایک رنگین مرقع سمجھی جاتی ہے۔ اسوقت ایک پاک روحانی جذبہ تھا جس کا تعلق دل اور روح سے تھا نہ کہ جسمانی اعضا سے۔ یہ وہ دن تھے جب لوگ فیشن سے ناآشنا تھے سیدھی سادی زندگی بسر کرتے، حق و باطل کی تمیز تھی۔ نشیب و فراز کا امتیاز تھا۔ جھنگ نور ایک چھوٹا سا ملک تھا بہت پر سکون اور نہایت خوبصورت، رعایا خوش، بادشاہ منصف، حکام عادل، لوگ اچھے، یہاں کا بادشاہ کمار پروجیت سنگھ ایک فرشتہ خصلت انسان تھا، جس نے اپنی نیکی پارسائی اور رحمدلی سے رعایا کا دل خرید رکھا تھا، پروجیت ناعمر بھی تھا اور مناظر قدرت سے اس کو خاص دلچسپی تھی، وہ ... اور کھویا کھویا سا رہا کرتا تھا، گھنٹوں وہ اپنے باغ میں پھول ... کی چند روزہ زندگی پر غور کیا کرتا، دوران میں اُسے انسان کی زندگی کی ایک جھلک دکھائی دیتی۔ وہ سوچتا کہ کیا انسان کو ... عالم میں چین اور سکون کبھی حاصل ہو سکتا ہے۔ باغ تو خوشنما ... لیکن خطرہ سے خالی نہیں ممکن ہے اس کا زمردیں ... اپنے سینے میں کوئی خطرناک چاہ دبائے ہو، اور پھر یہ ... کو چھونے سے کانٹا پہلے چبھتا ہے پھر کہیں کہا جاتا ہے کہ دنیا ... کی سیج ہے۔ وہ حیران تھا کہ یہ ہنستا ہوا گلاب کتنا بڑا ... بہت سے گو یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کی موت سر پر ہے

شام یہ بہت جلد پیغام لیکر آنیوالی ہے۔ خوش ہے اور فرط مسرت سے جھوم رہا ہے وہ شاید یہ سمجھتا ہے کہ موت تو اپنا کام کریگی ہی ہم اپنی چھوٹی سی زندگی کو کیوں اجیرن کریں۔ مگر جب اس کی آنکھیں کسی لالہ پر پڑ جاتی ہیں تو وہ دل پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے، شاید اس کے دل میں بھی لالہ سا داغ ہے جس کی یاد اس کو برابر ستاتی رہتی ہے وہ سونچتا ہے اور کانپ اٹھتا ہے ——————

---

۲۰ برس کا عرصہ ہوا پروجیت سنگھ جوان تھا، ایک دن صبح کے وقت دریا کے کنارے حسب معمول سیر کرنے گیا۔ جونہی آفتاب کی پہلی کرنیں دریا کے ہنس مکھ لیکن خاموش چہرے پر پڑیں اسنے ایک حسینہ کو تھوڑی دور پر پھول چنتے دیکھا حسن اسپر کھیل رہا تھا اور جوانی اٹھلا اٹھلا کر چل رہی تھی۔ جوان دل نے شہزادے کو بہکایا ضمیر نے اُسے روکا شہزادے کی آنکھیں اس دوشیزہ کے جادو بھرے حسن و جمال کی تاب نہ لاسکیں اور بے اختیار اس کے لبوں پر تبسم کی لہریں کھیلنے لگیں شہزادہ آگے بڑھا لڑکی نے اسکو دیکھ کر اپنا سر جھکا لیا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر پروجیت کے دل پر غیرت کی بجلی گر پڑی، وہ ٹھٹھر گیا، کچھ عجیب تھی اس کی حالت ادھر شرم و حیا کی آڑ اُدھر پہلی ملاقات کی جھجک، لڑکی بھی اُس حسین شہزادے کو دیکھ کر غیر متاثر نہ تھی، اُس کے دل میں بھی وہی خیالات اور جذبات چٹکیاں لے رہے تھے، جو شہزادے کے دل میں، دونوں ایک ہی مرض کے شکار تھے، دونوں کی زبان بند تھی، آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہو رہی تھی، آخر پروجیت نے ہمت کر کے اس لڑکی کا نام پوچھا لڑکی کا دل سہم گیا اور کانپتی ہوئی زبان سے "کملا" پھر غریب کو موہنی کہتے ہیں"۔ شہزادہ کچھ دیر اُس کے نام پر غور کرتا رہا پھر اسکا پتہ ٹھکانا پوچھا۔

یہ معلوم کرکے اسے حیرت تو ضرور ہوئی کہ موہنی ایک مالن کی لڑکی تھی لیکن محبت نے اپنا قبضہ اچھی طرح سے جما لیا تھا، دونوں محبت کے دیوانے اکثر ملتے رہتے اور روز بروز محبت کا پودہ بڑھتا ہی گیا۔ اس واقعہ کو ۲ برس ہوگئے، ناگہاں ملک پر ایک بڑی آفت آئی۔ قحط نے ڈیرہ ڈالا اور اسی وقت خبر آئی کہ بیجاپور کا بادشاہ ایک بڑی فوج لیکر بھرت پور پر حملہ کرنیوالا ہے۔ شہزادہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لشکر کا سالار بنکر دشمن کا مقابلہ کرے۔ شہزادہ بڑی عجیب کشمکش میں پڑ گیا وہ موہنی کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اور پھر اپنے ملک کو بچانا بھی اسکا فرض تھا۔ گھنٹوں ایسی فکر میں غلطاں و پیچاں پڑا رہتا۔ آخر موہنی کے پاس پہونچا۔ اس کو یہ سنکر بڑا افسوس ہوا اور کہنے لگی "آہ! آپ چلے جائیں گے پھر میں کس طرح زندہ رہونگی میری دنیا اجڑ جائے گی میرا سہارا چھوٹ جائیگا۔ جنگ بڑی خراب چیز ہے۔ جان کا کھیل ہے میں آپ کو کس طرح اجازت دوں"

پردجیت نے اپنے رومال سے اُس کے آنسوؤں کو پوچھتے ہوئے کہا "میں بھی تو تم کو چھوڑنا نہیں چاہتا لیکن وطن کی خدمت بھی لازمی ہے۔ دنیا میں رہ کر فرض کو پہچاننا ہی پڑتا ہے"

موہنی — "خیر آپ جائیے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں"

شہزادہ غمگین گھر لوٹا محبت کے گرداب میں ہم آغوش تھا، بچنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ دونوں بادشاہوں میں بہت بڑی جنگ رونما ہوئی۔ دشمنوں نے بھرت پور پر حملہ کیا اور اُس کو خوب غارت کیا لیکن آخر میں پردجیت کے لشکر کے ہاتھوں اس کو شکست ہوئی اور پردجیت اپنے ملک کو منصور و فتحیاب لوٹا۔ لوٹا لیکن بہت دیر کے بعد موہنی اور اس کی چھوٹی سی کٹیا وہ خوشنما گلستان محبت جس میں دو محبت کے چراغ جلائے گئے تھے، اور جہاں ایک چھوٹی سی دنیائے محبت بسائی گئی تھی، دشمنوں کی غارت گری کا شکار ہو چکے تھے، شہزادہ یہ دیکھکر خاموش ہو گیا اور اپنی رہی سہی زندگی رعایا کی بہتری میں گذار دی لیکن جب کبھی اُس کی نظریں کسی لالہ پر پڑ جاتیں تو اس میں موہنی کی صورت دکھائی دیتی اور وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر رہ جاتا۔ مگر پھر دل کو قرار آتا کہ اس نے فرض پر محبت کو قربان کیا اس نے اپنی دنیا اجاڑ لی مگر اپنی پوری سلطنت کو کسی دوسرے کی غلامی میں جانیسے بچا لیا۔ اور اس کے ہاتھوں ایک فرض انجام پایا۔

بقیہ مضمون صفحہ ۱۸۴

اس شہوانیت کا تعلق ہے۔ کوئی فرق سنہرے بال والیوں اور چھوٹے بال والیوں میں نہیں" (ص ۲۳۲)

واقعات آپ نے سن لئے۔ اب اسباب و محرکات پر بھی ایک سرسری نظر کرتے چلئے۔

"ایک پچھلے باب میں دکھایا جا چکا ہے کہ عاشقانہ زندگی کے بواعث و محرکات خاص حسب ذیل ہوتے ہیں۔ اس ترتیب کے ساتھ۔

(۱) شراب (۲) پارٹیاں۔ (۳) دعوتیں۔ (۴) اعلیٰ غذائیں"

امریکہ کا تجربہ بالکل اس کی تائید میں ہے" (ص ۲۳۲ و ص ۲۳۳)

اقتباسات DR-ANGEEY اور دوسرے ڈاکٹروں کی مشترک کتاب PRACTICE OF SEX سے ہیں — غریب مشرق کی مجال ہے کہ متمدن اور مہذب "نئی دنیا" کے ان پاکیزہ منظروں پر کچھ حرف رکھ سکے۔

تلخیصات

وسطِ افریقہ کی سیاحت

ایک سیاح کے قلم سے

کمانڈر اٹینٹو گیٹی ایک بڑے سیاح ہیں۔ جنھوں نے حال ہی میں وسط افریقہ کی سیاحت کی ہے۔ انھوں نے اپنی سیاحت کا ذکر انگریزی میں لکھا ہے۔ اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ذیل میں اس مضمون کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔! ——— (نقی)

"حال ہی میں ایک بہت وسیع اور حیرت انگیز قافلہ میرے تابع افریقہ کے خطرناک وحشی جنگلوں میں ہو کر سیاحوں کے لئے راستہ تیار کرنے کو روانہ ہوا۔ آج سے پچاس سال قبل سیسل نے بھی جو ایک بہت بڑا سیاح تھا افریقہ کی سیاحی کی تھی، ہم لوگوں نے اپنا پورا سفر ٹریلر (وہ عجیب و غریب گاڑی جو خاص سیاحی کیلئے ہے) کے ذریعہ کیا تھا۔ یہ ٹریلر سیسل کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا اگر وہ آج موجود ہوتا تو ہم لوگوں کو ٹریلر کے ذریعہ سفر کرتے ہوئے دیکھکر اس کے حیرت و استعجاب کی حد نہ ہوتی،

آیئے میں آپ لوگوں کو ذرا ٹریلر کے اندرونی حالات بھی بتا دوں تاکہ سمجھنے میں زیادہ دقت نہو۔ میرے ساتھ تین ٹریلر تھے، ہر ایک پچیس فیٹ لمبا تھا۔ اور بہترین لوہے کا بنا ہوا تھا جو ہم لوگوں کو سردی، گرمی، زہریلے کیڑوں اور زہریلے کیڑوں سے محفوظ رکھتا تھا، پہلے ٹریلر میں تین چار کوچ تھے جن کو ہم لوگ رات کے وقت کھولکر بستر کے کام میں لاتے تھے،

میری بیوی بھی میرے ہمراہ تھیں، انکے سونے کا کمرہ پھولوں سے آراستہ تھا، بستر کے قریب ہی روشنی تھی اور دروازہ بھی اتنا قریب تھا کہ وہ لیٹے لیٹے کھول سکتی تھیں۔ دروازہ ٹریلر کے وسط میں کھلتا تھا، جہاں پھل وغیرہ رکھے ہوئے تھے، لباس بدلنے کا کمرہ اس طریقہ سے بنا ہوا تھا کہ اسمیں گرد و غبار نہ آسکے، اس کمرہ میں بھی روشنی کا انتظام تھا، ڈرائنگ روم، (سنگھار کا کمرہ) کی دیواریں شیشہ کی بنی ہوئی تھیں، کمرہ میں نیلی قالین کا فرش بہت بھلا معلوم ہوتا تھا، اسمیں کتاب رکھنے کے لئے چھوٹی چھوٹی الماریاں بھی تھیں۔ نہانے کا کمرہ الگ تھا جس میں ایک آلہ پانی کی گرمی ظاہر کرنے کے لئے بنا ہوا تھا، میرا کمرہ تمام کمروں سے علحدہ تھا، اور اسمیں سبز روشنی آویزاں تھی،

ٹریلر میں ایک ریڈیو سٹ بھی تھا،

دوسرے ٹریلر میں کھانا کھانے کا کمرہ تھا، اس ٹریلر کے وسطی حصہ میں آرام کرسیاں تھیں۔ ایک طرف چھوٹی سی لائبریری کے

داہنے کونے پر ایک ریڈیو سٹ بھی تھا، دوسرے کونے پر ایک
ایک اور ریڈیو سٹ تھا، جو ساٹھ میل کی دوری تک آواز پھینک
سکتا تھا، بندوق، تلوار، پستول اور دیگر آلات شکار کے لئے ایک
کمرہ ہی علحدہ تھا اس کمرہ میں تصویر اتارنے کا کیمرہ بھی تھا، لائبریری
کے ایک کونے میں کچھ آلات تھے، اور دوسرے کونے پر بلجیم کانگو کا
نقشہ آویزاں تھا، باورچی خانہ بھی اسی ٹریلر میں تھا جسمیں ایک آدمی
ایک اسٹول پر بیٹھکر کمرہ کے اندر کا ہر کام کر سکتا تھا،

تیسرا ٹریلر صرف تین کمروں سے بنا ہوا تھا، ایک کمرہ میرے
ہمراہیوں کے سونے کا تھا، اور دوسرا تاریک کمرہ فوٹو صاف کرنے
کیلئے تھا، تیسرے کمرے میں بڑے بڑے صندوق رکھے ہوئے تھے،
جو غلہ اور کھانے کے سامان سے پُر تھے،

ہر ٹریلر کے کھینچنے کے لیئے ایک موٹر تھی جو بجلی کے
ذریعہ چلا کرتی تھی، اور اسی بجلی کے ذریعہ ہر ٹریلر میں روشنی، پنکھا،
وغیرہ کا انتظام تھا،

سب ٹریلروں اور موٹروں کا رنگ ایک قسم کا تھا سب
ایک ہی صف میں چلا کرتی تھیں۔ جب بجلی کے ڈاٹ کو بجلی کے ساتھ
چسپاں کر دیا جاتا تھا تو ٹریلر کے تمام بیرونی حصہ میں بجلی آجاتی تھی،
اور جب کوئی جنگلی جانور یا کوئی دوسری شے اس سے مس ہو جاتی تھی
تو وہ بجلی کے ذریعہ دور پھینکا جاتی تھی، لیکن ٹریلر کے دروازے
پر برقی لہر ہر وقت دوڑتی رہتی تھی، اور جب کوئی اس سے مس ہو جاتا
تو برقی لہر اس کے بدن میں دوڑ جاتی، غرض برقی لہریں ہم لوگوں کی
زبردست نگراں تھیں۔

اس ٹریلر کے دروازہ میں جسمیں ہم لوگ کھانا کھاتے
تھے، ایک دوربین آویزاں تھی، کہ کھانا کھاتے وقت میرے تمام ساتھی
سڑک کو بآسانی دیکھ سکتے تھے، اور کھانا کھاتے وقت بھی بیابانی
منظروں سے لطف اندوز ہو سکتے تھے، گویا ٹریلر بالکل ایک
مکان کے مانند تھا،

ٹریلر کیونکر استعمال میں آیا؟ - یہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے۔

میں نے افریقہ میں تیرہ سال گزارے ہیں اور وہاں کے
بیابانوں کی نو مرتبہ سیاحت کی ہے۔ ہر سیاحت کے اختتام پر
کوئی عجیب و غریب چیز ضرور لاتا تھا، جسے میں کسی عجائب خانہ
کو دیدیتا یا کسی سائنسداں کو۔ سیاحت کے دوران میں میں نے
جنگلی جانوروں کا شکار بھی خوب کھیلا تھا۔

میں بچپن ہی سے سیاحی کا دلدادہ تھا، سیاحت کرنے کا
شوق بہت دنوں سے بلکہ عہد طفلی ہی سے دل میں بھرا ہوا تھا،
حبش کے دوران جنگ میں اپنے والد کے ساتھ وہاں موجود تھا،
میں نے اپنی سب سے پہلی سیاحی افریقہ کے جنگلوں میں جنگ عظیم کے بعد
کی۔ جس سیاحت کا ذکر میں آپ لوگوں سے کر رہا ہوں اس کے قبل
میں نے جو سیاحت کی تھی، اسمیں ہم لوگوں کو افریقہ کے وحشت
انگیز بیابانوں کی ڈھائی برس تک خاک چھاننا پڑی تھی، آدمی
کا نام و نشان بھی نظر نہ آتا تھا، ہر طرف خوف و ہیبت کا دور مسلط تھا۔

جنگلوں کی سیاحت کرنے کے لیئے بڑا مستقل مزاج بننا پڑتا
ہے۔ اور بہت اطمینان سے اور آہستہ آہستہ کام کرنا پڑتا ہے۔ رات
کے وقت غلہ وغیرہ کے صندوقوں کو بڑی حفاظت کے ساتھ بند کرنا
اور رکھنا ہوتا تھا، تاکہ زیادہ سردی یا گرمی غلہ کو خراب نہ کر دے۔
شب کو بسر کرنے کے لئے ہم لوگوں کو ایک سایہ دار یا گھنا درخت
ڈھونڈنا پڑتا تھا، خواہ گرمی ہو یا سردی، آسمان ابر آلود ہو یا ستاروں
کی فوج لئے سامنے ہو۔ اس درخت کے نیچے کی زمین کو ہم لوگ صاف
کر ڈالتے تھے، اور اس جگہ کھانا وغیرہ پکاتے تھے، اکثر راستے میں بہت
بڑے بڑے درخت ملتے تھے، جنہیں ہم لوگ مل کر بارہ یا تیرہ گھنٹہ

میں صاف کر ڈالتے تھے، تب آگے بڑھتے تھے،

پہلی دفعہ جب میں سیاحت کو گیا تھا تو صندوقوں کا کھولنا۔ نکالنا اور پھر حفاظت سے بند کر کے رکھنا۔ درختوں کا صاف کرنا اور اس طرح کے دوسرے کام مجھے بیحد تکلیف دہ معلوم ہوئے اور میں بیحد گھبرا گیا تھا، اسی (جس سیاحت کا ذکر لکھ رہا ہوں) سیاحت کے دوران میں مجھے ان جنگلوں کے درمیان ایک راستہ بنانے کا خیال پیدا ہوا، تاکہ دوسرے لوگ یہاں کی قدرتی نیرنگیوں کو آسانی سے آکر دیکھ سکیں۔ اسی سیاحت کے بعد میں نے اپنی دوسری سیاحت کا خاص مقصد بلجیم کی حکومت کو لکھا اور ٹریلر کے فوائد بھی بتلائے مگران لوگوں نے کوئی خاص توجہ نہیں کی اور میری بات ٹال دی گئی۔

اس کے بعد میں بڑے بڑے منصوبے باندھتا ہوا امریکہ چلا گیا۔ لیکن وہاں اظہار خیال کا کوئی موقع نہ ملا۔ میں چاہتا تھا کہ پھر سیاحت کے خیال کو عملی جامہ پہناؤں لیکن اس دفعہ میرے دماغ پر سڑک بنانے کا خیال مسلط تھا اور بے کار نہیں جانا چاہتا تھا۔

آخر کار میں نے اپنا ارادہ کونٹ الکس پر ظاہر کیا، کونٹ الکس ایک بہت معزز شخص تھا، اور سالنو فسکی کا رہنے والا تھا اس نے میرے منصوبے اور ارادوں کی قدر کی اور میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ راستہ بنانے کے لیے روانہ ہو گیا۔ آجکل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ راستہ بنانے میں مشغول ہوں۔

میرا خیال ہے کہ راستہ کار قبہ کرنے میں پورا ایک سال صرف ہوگا۔ راستہ بن جانے کے بعد ہر مسافر کو یہاں بیحد آرام ملیگا راستہ میں بہت کافی تعداد میں ٹریلر ہونگے۔ جو ان کے آرام کا باعث ہونگے۔ اس میں ہر قسم کی ضروریات موجود ہونگی۔ پہلے ان جنگلوں سے گزرنا نا ممکن نہیں تو کم از کم بہت اہم کام تھا۔ لیکن اب تھوڑا سا خرچ کر کے ہر شخص نہایت آسانی سے جنگلوں کے اندرونی مناظر اور قدرتی دلفریبی کو دیکھ سکے گا۔

اس جنگل میں رووینزی پہاڑ ملے گا جو افریقہ کے تمام پہاڑوں کا بادشاہ ہے یعنی افریقہ کی چھت ہے۔ یہ پہاڑ ہمیشہ برف کی سفید چادر اوڑھے رہتا ہے۔ اس کے وسط میں سہنیاں ہیں جنگل میں جھیلوں کی کثرت ہے۔ مگر تمام جھیلیں ہر وقت زرد اور نیلے رنگ کی خوبصورت چڑیوں سے ڈھکی رہتی ہیں۔ یہاں کی جھیلیں بیحد خوبصورت ہیں۔ جھیل آبرٹ۔ جھیل کیو۔ جھیل ایڈورڈ۔ کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے شاید ہم سوئیٹزرلینڈ میں ہیں۔ ان جھیلوں کے درمیان میں پہاڑی سلسلہ ایک عجیب پر لطف منظر پیش کرتا ہے۔

اس جنگل کے رہنے والے عموماً سات یا آٹھ فیٹ کے قوی ہیکل انسان جفاکش اور محنتی ہوتے ہیں۔ ان کی عورتیں اوسط درجہ کی عورتوں کی طرح ہوتی ہیں۔

میرا خیال تھا کہ یہ لوگ ہمیں تکلیف دیں گے اور تنگ کریں گے۔ لیکن ہم لوگوں کو وہ تعجب کی نظروں سے دیکھتے تھے، اور چھوٹے سے بکس سے گانے کی آواز سنکر بہت تعجب کرتے تھے اور اپنے کندھوں کو مٹکاتے تھے۔

سڑک کے تیار ہو جانے کے بعد اب جو شخص بھی چاہیگا یہاں آسکے گا۔ اور قدرت کے حقیقی مناظر سے جو یہاں سالہا سال سے پوشیدہ تھے لطف حاصل کر سکیگا، وہاں کے قدرتی مناظر اتنے دلفریب اور جاذب نظر ہونگے کہ جو شخص بھی وہاں جائیگا اسکی خواہش یہی ہوگی کہ بس وہیں کا ہو جائے اور ہمیشہ وہاں کے مناظر کو اپنی آنکھوں میں رکھ لے۔

سید علی نقی نقوی نقی

جاپان کی موجودہ سیاست

اب جبکہ ہٹلر نے ۲۷ اگست ۱۹۳۹ء کے عہدنامہ کے خلاف روس پر حملہ کر کے دنیا کو ششدر کر دیا ہے۔ یہ سوال نہایت اہم ہو جاتا ہے کہ موجودہ جنگ میں جاپان کا کیا رویہ رہیگا۔ ہم لوگوں کو یاد ہوگا کہ برطانیہ کے وزیراعظم نے اس وحشیانہ حملے کے بعد ہی صاف لفظوں میں اس کا اظہار کر دیا تھا کہ اب نہ صرف ہندوستان اور چین ہی خطرے میں آگئے ہیں بلکہ عنقریب ہم لوگوں کو مشرق بعید کی سیاست میں بہت سی پیچیدگیوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مشرق بعید سے مطلب مسٹر چرچل کا جاپان تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اسوقت ٹوکیو سب سے زیادہ سیاسی چالوں اور ہنگامہ خیز گفت وشنید کا مرکز بنا ہوا ہے۔ انگریزی امریکی اور آسٹریلین سیاست داں جاپان کو اس امر کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ روس پر جرمنی کا حملہ اس کا کافی ثبوت ہے کہ جرمنی کیلئے کسی عہدنامہ کی اہمیت ایک ردی اور بیکار کاغذ سے زیادہ نہیں۔ ہٹلر ہر عہدنامہ پر اس وقت تک عمل کر سکتا ہے۔ جبتک وہ اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہو۔

اس کے برخلاف اسوقت جاپان میں جرمن سیاحوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ جو جاپانی نقل وحرکت کا بغور مطالعہ کر رہی ہے۔ ان کی سیاسی چالیں زیادہ تر فوجی حلقوں تک محدود ہیں۔ چونکہ جاپان میں سب سے زیادہ فوجی اور بحری ہی حلقوں میں اس کا یقین ہے کہ جاپان کا سب سے بڑا دشمن روس ہے۔ اس لئے ان کے جذبات کو ابھارنے کیلئے جرمن سیاست داں ان کو ہر طرح سے یقین دلا رہے ہیں کہ چین کے پس پشت روس کی طاقت ہے۔ جو ان سے مقابلہ کر رہی ہے۔

اس لئے یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ جاپان کا آخری قدم کس طرف اٹھیگا۔ سیاسی حلقوں میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جاپان، جرمنی اور روس کی جنگ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ کئی اور باتیں بھی ہیں جن کو جاپان اپنا آخری فیصلہ کرتے وقت کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہاں رائے عامہ کی ایک بڑی اکثریت روس کو اپنا دشمن سمجھتی ہے۔ یہ طبقہ روس کے مشہور شہر ولاڈی ووسٹک VLARI LOCLE کو سب سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہے۔ یہاں سے روس بڑی آسانی سے جاپان کے شہروں پر بمباری کر سکتا ہے۔ یہیں سے روس کی آبدوز کشتیاں جاپانی تجارت کو نقصان پہونچا سکتی ہیں۔ پھر روس کی مشرقی فوج جسکی ترتیب مارشل بلوچر نے کی تھی یہیں مقیم ہے۔ اور ہر وقت حریفانہ نظر سے جاپانی نقل وحرکت کو دیکھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ

منگولیا کا ایک حصہ روس کے قبضہ میں ہے۔ اور اسی راستہ سے چین کو روس سے مدد مل رہی ہے۔

اس لئے اس گروہ کا خیال ہے کہ روس کو سب سے پہلے ختم کر دیا جائے۔ اس دشمن کے بے بال و پر ہو جانے ہی سے جاپان کا اقتدار چین، سائبریا اور مشرقی ایشیا پر مکمل ہو جائیگا۔

لیکن اس کے خلاف ایک دوسرا ذی اثر طبقہ بھی ہے جس کا خیال ہے کہ سر دست روس اور برطانیہ سے جنگ کرنا ایک زبردست سیاسی غلطی ہوگی۔ اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ جاپان چین کی جنگوں سے فارغ نہ ہو سکا ہے۔ اور وہ اس قابل نہیں کہ کسی دوسری طرف رخ کر سکے۔ باوجود چار برس کی مسلسل کوششوں کے جاپان چین کو شکست نہ دے سکا۔ لیکن اس چار برس میں جاپانیوں کا کثیر مالی اور فوجی نقصان ہو چکا ہے۔ اس وقت چین ہی دنیا میں تنہا ملک ہے جس نے مکانیکی حملوں کو غیر مکانیکی طریقوں سے روکنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کی وجہ زیادہ تر جنرل چیانگ کیا شیک کی اعلیٰ ہمتی چین کا رقبہ اور وہاں کی آبادی ہے۔ اسوقت جاپان کے بیس لاکھ سپاہی چین کے میدان جنگ میں موجود ہیں۔ اس لئے ایک دوسری فوج کی معہ ضروری ساز و سامان کے ترتیب دینا جاپان کے لئے بہت ہی مشکل ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس جنگ میں جاپان کی شرکت کی وجہ کر روس چین کی مدد نہ کر سکے گا۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ امریکہ روس اور چین کو پوری مدد کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔ جنوب مشرقی حلقہ کی سلطنتوں یعنی نیوزی لینڈ، ملایا اور ایسٹ انڈیز وغیرہ کا بھی رویہ جاپان کے لئے کم ہمت شکن نہیں۔ وہاں یہ طے ہو چکا ہے کہ بیجا مداخلت اور ناروا پیشقدمی کو روکنے کے لئے وہ ہر وقت تیار ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ قابل غور چیز یہ ہے کہ جاپان ہمیشہ "طلوع آفتاب" کی پوجا کرتا ہے۔ وہ آخر میں اس کا ساتھ دیگا جس کی فتح کا اسکو یقین ہوگا۔

اور ہم لوگوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ابھی تک برطانیہ جرمنی کا نہایت دلیری سے مقابلہ کر رہا ہے۔ بعض محققین کی تو یہ رائے ہے کہ جرمنی کو اس کا یقین ہو گیا کہ برطانیہ کی شکست ناممکن ہے۔ گو ہٹلر اپنی عزت آبرو اور رتبہ کو قائم رکھنے کے لئے روس سے برسر پیکار ہو گیا ہے۔

اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ جاپان کی ایسی بیدار سلطنت کو جرمنی کے اندرونی حالات سے واقفیت نہ ہو گی۔

مظفر گیلانی ایم، اے

اس تباہی سے بچا لیا مرہٹے اسکول کو ۔۔۔ ہو چلا تھا گردش ایام کے ہاتوں تباہ

آپ اس صوبے کے پہلے صدر مسلم لیگ تھے ۔۔۔ لیگ کے کارنمایاں بھی ہیں مثل مہر و ماہ

آئی تھی پٹنے میں سرسید کی علمی کنفرنس ۔۔۔ کامیابی کے لئے ساعی رہے شام و پگاہ

ہے یہ اُردو کی حمایت یادگار روزگار ۔۔۔ چُن گئے اُردو کتب خانہ یہاں اک حب خواہ

اے جزاک اللہ کیا کیا خدمتیں انجام دیں ۔۔۔ خیر کرنا ان کی خو تھی۔ کام تھا ان کا رفاہ

عیسوی تاریخ اس غم کی مبارک یہ کہی

خاں بہادر صاحب ایثار ابراہیم آہ

۱۹۴۱ء

الہ آباد۔
۲۸؍ اگست سنہ ۱۹۲۰ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ میرے پاس ایک عید کارڈ آیا۔
ڈاکخانہ کی مُہر نہ پڑھ سکا۔ شاید آپ کا مرسلہ ہے۔ بہرحال آپ کی محبت و عنایت کا شکر گذار رہتا ہوں۔

آپ کا بیحد مشتاق اکبر حسین

الہ آباد۔ ۲۵؍ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء

عزیز مکرم محب و قدر افزائے اکبر سلمہ اللہ تعالیٰ۔
میری دو روز دق طبیعت اچھی نہ تھی۔ الہ آباد واپس آیا۔ انشاء اللہ بشرط زندگی و توانائی بہت جلد جواب دوں گا۔
آپ کو اللہ نے قلب سلیم عطا فرمایا ہے۔ صاحب ذوق بنایا ہے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھ پر عنایت فرماتے ہیں۔ ادھر گذر ہو تو ملیے گا۔ اپنا مشتاق کیجیے۔

اکبر حسین۔

الہ آباد۔ عشرت منزل۔ ۱۲؍ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بہت علیل ہوں دل و دماغ بلکہ تمام اعضا بے قابو ہیں نقل و حرکت میں تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن زندگی نے ہنوز پیچھا نہیں چھوڑا۔ میں نے غالباً آپ کے خط کا جواب دیا تھا۔ کتاب خلافت کو اب دیکھنے کی نوبت آئی سرسری نظر سے کچھ دیکھی۔ داد تحقیق و داد [illegible] زیادہ دیتا ہوں۔ خدا [illegible] کرے۔ [illegible] دعا لا مال ہے۔ خوشی ہوگی اگر آپ سے ملاقات ہو باتیں ہوں۔ تبادلہ خیالات ہو۔ اگرچہ میں اب زیادہ تر دوسرے عالم میں ہوں سواد...... نظر ہے۔ لیکن آپ بھی تو اہل دل اور طالب عقبیٰ ہیں۔ خانہ ویرانی اور علالت نے دنیا سے بالکل دل برداشتہ کر رکھا ہے۔

آپ کا دعاگو۔ اکبر حسین

الہ آباد ۱۹؍ اگست سنہ ۱۹۲۱ء

عزیز من سلمہٗ۔ واپسی پر آپ سے ملنا نہ ہوا۔ اپنی خیریت لکھیے دل لگا ہوا ہے۔ خدا آپ کو خوش اور مطمئن رکھے۔ خواجہ صاحب آئے تھے، ۲ دن رہ کر دہلی واپس گئے۔ میرا ارادہ عنقریب لکھنؤ کا ہے۔ عجیب کشمکش میں ہوں عمر اور علالت نے معذور کر رکھا ہے خیالات [illegible] پر اور [illegible] غمزدہ۔ اللہ رحم کرے۔

دعاگو
اکبر حسین

اقتباسات

معاصر "صدق" کے چند شذرے

پچھلے مہینے میں معاصر "صدق" سے کچھ اقتباس نمونہ کے طور پر نذر ناظرین کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، چنانچہ ذیل میں "صدق" مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ امید کہ دلچسپی اور توجہ سے پڑھے جائیں گے۔ —— "ندیم"

آئی، سی، ایس، زبان کے معیار سے

آئی، سی، ایس، (انڈین سول سروس) کے پچھلے امتحان میں ۴۲۸ امیدواروں میں سے زبانی امتحان کے لیے ۱۴۷ طلب ہوئے، ان میں سے جتنوں نے جو جو زبانیں لیں، اُن کے اعداد حسب ذیل ہیں۔

زبان	تعداد
پنجابی لینے والے	۳
گجراتی 〃 〃	۴
کناڑی 〃 〃	۴
تلنگی 〃 〃	۸
مرہٹی 〃 〃	۸
ملایالم 〃 〃	۱۲
بنگالی 〃 〃	۱۷
تامل 〃 〃	۱۸
ہندی 〃 〃	۴۰
اردو 〃 〃	۶۰

(ماخوذ از [illegible] ۹ اگست ۱۹۴۱ء میں)

اعداد کی اس خاموش گویائی کے ساتھ پیش نظر حقائق ذیل کو بھی رکھیے۔

(۱) ۴۰ ہندی لینے والے سب کے سب ہندو تھے، برخلاف اس کے ۶۰ اردو لینے والوں میں مسلمان کل ۳۷ تھے! باقی ۲۳ غیر مسلموں سے ۲۱ ہندو تھے!۔

(۲) کل ہندو طلبہ ۱۲۴ تھے یہ ہندی ان میں سے کل ۴۰ نے لی، یعنی ⅓ سے بھی کم نے!۔

(۳) مسلمان طلبہ، نہ پاکستان کے خیال کے تھے نہ مسلم لیگی تا بکجا! بلکہ بجز ایک کے، اور سب کے سب "نیشنلسٹ" تھے اور ۵۹/۶۰ نے ممتحنوں کے سوالات کے جواب میں پاکستان کی مخالفت ہی کی، لیکن اردو کے سوال پر ۳۵/۳۶ متفق اللفظ تھے بحرف ہی نہیں بلکہ

"صدق" ہفتہ وار چندہ سالانہ للعہ ششماہی ۲ؔ — پتہ: منشی محمد عبدالرؤف صاحب عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ۔ مضامین کیلئے خط و کتابت کا پتہ: جناب مولانا عبدالماجد مدیر "صدق" دریاباد ضلع بارہ بنکی۔

زبان کی تھی)۔

(۴) ۲۱۔ اردو لینے والے ہندوؤں کی تعداد، جو اوپر آچکی ہے، حسب ذیل تھی،

پنجاب سے　۱۱ (منجملہ کل ۷۰ ہندو طلبہ کے)

صوبہ متحدہ سے　۷ (منجملہ کل ۳۴ ہندو طلبہ کے)

صوبہ دہلی سے　۱ -

ریاست گوالیار سے　۱

ریاست کشمیر سے　۱

کہہ دیجئے کہ یہ اعداد بھی اردو والوں نے اپنے دل سے گڑھ لئے ہیں۔

آئی، سی، ایس، ادب کے معیار سے

اردو اور ہندی زبانوں کا جہانتک تعلق ہے، آئی، سی، ایس کے طلبہ کے حوالہ سے کچھ اعداد بھی اوپر کے ایک شذرہ میں گزر چکے، ان طلبہ کو زبان سے قطع نظر جو مضامین لینے ہوتے ہیں، ان میں تاریخ، سائنس، فلسفہ و معاشیات وغیرہ کے علاوہ بعض زبانوں کے ادبیات کے معیار سے بھی کچھ اعداد ملاحظہ ہوں۔

انگریزی ادب	۳۵	طلبہ نے لیا۔
عربی و فارسی "	۲۸	"
اردو "	۱۹	"
ہندی "	۱۴	"
سنسکرت "	۵	"
بنگالی "	۱	طالب علم نے لیا۔
پنجابی "	۱	"
تلنگی	۱	"

اردو کے خلاف اسقدر زبردست پروپیگنڈے" اور عربی فارسی کی اس نا قدری اور کس مپرسی کے زمانہ میں اتنے اتنے طلبہ کا نکل آنا بجز معجزۂ قدرت کے اور کس چیز سے تعبیر کیا جائے؟

"صاحب" کی قدردانی

"شملہ۔ ۷ اگست، پچھلے موسم سرما میں مصر کے جس صحرائے مغربی میں فورتھ انڈین ڈویژن نے ناموری حاصل کی تھی، وہیں ایکی پھر ہندستانی سپاہ مصروف عمل ہے۔ لیکن ابکی اطالویوں کے علاوہ جرمنوں کو بھی پکڑنا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں جو بریگیڈ صحرا میں وارد ہوا ہے۔ اُسکے بریگیڈیر نے اعلان کر دیا ہے کہ جو کوئی سب سے پہلے کسی جرمن زندہ یا مُردہ کو لائیگا۔ اُسے ایک بوتل شمپین کی انعام ملیگی......۱ گھنٹے کے اندر اس اعزاز کے کئی امیدوار پیدا ہو گئے، اور بوتل مرمٹوں کے حصہ میں آئی"۔ اسٹیٹسمین، ۹ اگست ۱۹۴۱ء)

کیا کہنے ہیں "صاحب" کی قدردانی کے! جانبازی و سرفروشی کا انعام شراب کی ایک بوتل! بہت خوب! "مشرق کا سارا عشق دختِ رز کے ساتھ بس شعر و شاعری ہی کے دیوانخانوں تک محدود رہا، کیا خبر تھی کہ ترقی یافتہ مغرب اسے جنگ کے میدانوں تک پہونچا دیگا۔

جنس عصمت کا کال

"امریکہ کی اخلاقی حالت پر روشنی اس تخمینہ سے پڑتی ہے۔ کہ نئی دولہنوں میں سے صرف ۲۵ فی صدی باکرہ ہوتی ہیں۔ باقی ۷۵ فیصدی میں بیشتر ایسی ہوتی ہیں، جو شادی سے قبل کم از کم تین مردوں سے پورے جنسی تعلقات رکھ چکی ہوتی ہیں۔ عموماً امریکی لڑکیاں اپنی دوشیزگی سترہ سال کے سن میں ضائع کر دیتی ہیں، اور رہا نسک

(باقی مضمون صفحہ ۱۷۵ پر)

افکار

نیرنگ

ازجناب جی، آر، عنیس شیخپوروی

ہنسو ــــــ اور دنیا تمہارے ساتھ ہنسیگی۔

لیکن غم، اور مصیبت کا دیوتا، جب اپنے زہر آلود دانت نکالے کھڑا ہوگا۔ اسوقت دنیا تم سے منہ چرائیگی، اور دور ــــ بھاگے گی۔ حالانکہ غم اور مصیبت کا پیدا ہونا عین قانون قدرت ہے کبھی کوئی انسان ہمیشہ خوش نہیں رہ سکتا ہے۔

گاؤ ــــــ تو اس گانے میں تمہارے ہمجنس ہی نہیں، بلکہ پہاڑیاں بھی مل جل کر ہم گانے لگیں گی۔ لیکن اگر تم ایک آہ سرد ــــــ کھینچو تو کوئی بھی سننے والا نہ ہوگا۔ اور پھر وہ تمہاری سرد آہیں فضائے عالم میں گم ہو جائینگی۔

زندگی ــــــ عیش و مسرت، جام و شراب، اور مستی کے ساتھ گذر رہی ہے۔ تو ہزاروں بندگان خدا تمہاری تلاش میں دیوانہ وار رہینگے۔ لیکن اگر تم آنسو بہا رہے ہو ــــــ تو لوگ دیکھیں گے، اور منہ پھیر کر سڑے ہوئے گوشت، اور چھوت کی بیماری سمجھکر دور بھاگینگے۔ جیسے کہ جانتے ہی نہیں۔ یہی دنیا کا دستور ہے۔ اچھے وقت کا سب کوئی، اور بُرے وقت کا کوئی بھی نہیں ہوتا ہے۔

اطمینان ــــــ اور بے فکری کے وقت، سب ہی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن مصیبت، پریشانی، فکر، الجھن، اور غم و الم کی تکلیف کو شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہوں تو تمام جانی اور جگری دوست ایک ایک کر کے بچھڑ جائینگے۔

تمہاری اُس سرخ سرخ شراب کو، شراب زندگی سمجھکر پینے والے ان گنت مل جائینگے۔ اور کوئی بھی انکار نہیں کریگا۔ لیکن ــــــ شراب موت پیتے وقت کوئی بھی پینے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔

جلسے، محفلیں، اور سامان نشاط منعقد کرو۔ تمہارا گھر مہمانوں سے بھرا ہوگا۔ لیکن ساز عشرت کے ان تاروں کے ساتھ آہیں، آنسو، اور صدائے گریہ کو کوئی بھی دیکھنے والا اور سننے والا نہ ہوگا۔ جب گھر کا چراغ بجھنے لگتا ہے۔ تو پروانے ایک ایک کر کے اڑنے لگتے ہیں، اور خوشی کا پھول بھی مرجھانے لگتا ہے۔

دنیا ــــــ ظاہر میں نگارستان عیش ہے۔ لیکن باطن میں سنسان اور ویران ہے۔ یہ اسوقت پتہ چلیگا۔ جب تم ذرا مگر دو پڑ جاؤ، اور حالات ناموافق ہونے لگے ہوں اور تقدیر ــــ کے خلاف بھی ہوا چلنے لگی ہو، تو ایسے برگشتہ وقت میں ساحل کا کوئی پتہ نہ ہوگا۔ سمندر ہی سمندر نظر آئیگا اور تم اسی کی موجوں میں کھیلتے ہوئے نظر آؤ گے۔

دنیا نے ہیں ــــــ آخر یہی سبق پڑھایا کہ جسقدر دنیا رنگین اور دلفریب نظر آتی ہے۔ اسی قدر دنیا ایک خواب پریشان، وہم، اور دھوکہ ہے۔

زمانہ نے بھی یہی تعلیم دی کہ مسرت اور عیش کو دوام نہیں۔ عقلمند، اور ہوشیار وہی ہے جو وقت کی قدر کرتے ہیں۔ اور بُرے وقت کے آنے سے پہلے اسکے دفع کرنے کیلئے مسلح رہتے ہیں۔

(مختار)

ادبیات

جذباتِ مبارک

از حضرت مُبارک عظیم آبادی

پھر ملے ہم ان سے پھر یاری بڑھی ۔۔۔ اور الجھا دل گرفتاری بڑھی
ہجر کی گھڑیاں کٹھن ہوتی گئیں !! ۔۔۔ دِن کے نالے، رات کی زاری بڑھی

مہربانی چارہ سازوں کی بڑھی ۔۔۔ جب بڑھا درماں تو بیماری بڑھی
سختیاں راہِ محبت کی نہ پوچھ ! ۔۔۔ ہر قدم اک تازہ دشواری بڑھی

خیر ساقی کی سلامت میکدہ ۔۔۔ جسقدر پی اُتنی ہشیاری بڑھی
پھر تصور میں کسیکے نیند اُڑی ! ۔۔۔ پھر وہی راتوں کی بیداری بڑھی

اِس طرف آزار و ایذا کا مزہ ! ۔۔۔ اُس طرف ان کی دل آزاری بڑھی
کیا مرقع ہے تمہارے حسن کا ۔۔۔ جو بڑھی تصویر وہ پیاری بڑھی

دَور دَورے میں مُبارک جام کے
انتہا کی اپنی مے خواری بڑھی

کالج کی لڑکیاں

از بلبل بہار حضرت سرمہ کابری مینائی گیاوی

قطعہ

سوئے کالج جا رہی ہیں بن سنور کر لڑکیاں　شانہ بالوں میں کئے زلفوں کو سلجھائے ہوئے
شمع کی لو گردنِ نازک بھبھوکا سی جبیں　آتشین رخسار گیسو اس پہ لہرائے ہوئے
سر دیکر پاؤں تک ہیں سینٹ میں ڈوبی ہوئی　چہرۂ گلرنگ کو پوڈر سے چمکائے ہوئے
خرمن جاں پر گراتی جا رہی ہیں بجلیاں　ناوک مژگاں سے کتنے دل کو برمائے ہوئے
کون کہہ سکتا ہے کس کس کا لئے جاتی ہیں دل　زلف عنبر بو کے پیچ و خم میں الجھائے ہوئے
گھورتی جاتی ہیں اک اک کو نگاہِ شوق سے　شوخیاں اپنی زمانے بھر کو منوائے ہوئے
کہتی ہے اک اک ادا شرم و حیا کو خیر باد　ہر قدم پر پاؤں سے پردے کو ٹھکرائے ہوئے
توڑتی جاتی ہیں رسم شرم و آئینِ حجاب　گھر میں اک لمحہ ٹھہرنے کی قسم کھائے ہوئے
بے تکلف جوش آزادی کا لیتی ہیں سبق　بادۂ تعلیم نو سے دل کو گرمائے ہوئے
ساری دنیا کو ڈبو دینگے برس کر ایک دن　یہ جو بادل ہیں نئی تہذیب کے چھائے ہوئے
کسطرح ہوتا نہ آخر پاس ناموس وطن　دیکھنے والے کئے جاتے ہیں شرمائے ہوئے

جذبۂ ذوق غلامی واہ کیا کہنا ترا
ملک میں آخر یہ دن تیرے دکھلائے ہوئے

کیفِ برشگال

از۔ جناب عروج قادری صاحب

میکدے سے جھوم کر اٹھی گھٹا برسات میں
شوق مے انگڑائیاں لینے لگا برسات میں

پھونک دی ہے روح، فطرت نے زمینِ مردہ میں
جوش پر ہے قوتِ نشو و نما برسات میں

چپہ چپہ سبز ہے اور گوشہ گوشہ پر بہار
ابر گویا پھول برسانے لگا برسات میں

حُسن و زیبائی کی دولت لٹ رہی ہے ہر طرف
بوٹا بوٹا ہو رہا ہے خود نما برسات میں

کشتِ لالہ، موجِ بادہ، صحنِ گلشن، ظرفِ آب
بے پئے بھی اک نشہ چھا گیا برسات میں

بدلیوں کا یہ تصادم موجِ گل کی یہ لپٹ
کم سے کم تو چھوڑ دے جور و جفا برسات میں

آبشاروں کا ترنم، جوئباروں کا خرام
کیف پرور کیف آگیں کیف زا برسات میں

ہلکا ہلکا ساترشح اور ساقی ملتفت!
کون رہ سکتا ہے باقی پارسا برسات میں

موجِ مے ہوتا ہے گویا سیلِ آبِ لالہ زار
میکدہ بر دوش ہوتی ہے گھٹا برسات میں

بندِ گل ٹوٹے ہوئے، سنکی ہوئی ہے عندلیب
مستیاں برسا گئی کالی گھٹا برسات میں

یہ تو سب کچھ ہے مگر میرے لئے اے ہمنشیں
نشترِ بیداد ہے موجِ ہوا برسات میں

ہائے وہ عہدِ بہاریں ہائے وہ عہدِ طرب
یاد پھر آ ہی گیا بھولا ہوا برسات میں

اف یہ منظر اور غمِ دوری و مہجوری مجھے
چومتی پھرتی ہے پھولوں کی صبا برسات میں

ان گھٹاؤں نے بڑھا دی اور بھی دل کی کسک
کیا کرے جائے کہاں درد آشنا برسات میں

مختصر یہ ہے کہ دل کی آگ ہے بھڑکی ہوئی
کیا بتاؤں حال، جذبِ عشق کا برسات میں

نقوش اثر

از۔ جناب محمود یار خاں صاحب اثر ایم اے، جوناگڑھ

ذوقِ نشاط تلخیٔ غم کا مآل ہے
انجامِ ہجرِ دوست، نویدِ وصال ہے

لمحاتِ انتظار کی طولانیاں نہ پوچھ
اک اک گھڑی گذرنے میں ایک ایک سال ہے

ہیں خوشگواران کی تلوّن مزاجیاں
لطف و کرم کبھی، کبھی رنج و ملال ہے

اللہ رے حُسنِ شاہدِ مقصود کی کشش
فطرت کا ذرّہ ذرّہ اسیرِ جمال ہے

ازبسکہ ملتفت ہیں مرے حالِ زار پر
اپنی جفا پہ شاید انہیں انفعال ہے

ناکامیوں کے خوف سے انکارِ جستجو
کمزورِ اعترافِ شکستِ مجال ہے

دستورِ انقلاب کا مقصد ہے اک یہی
جس کو ہے اب عروج، اسے کل زوال ہے

آتا گہن میں ہے مہِ کامل ہی بار ہا
تکمیلِ حُسن اپنے لئے خود وبال ہے

تلقینِ صبر و ضبطِ غمِ عشق تا کجا
اے ہمدمو یہ رسم بہت پائمال ہے

دل پہ مرے جو نقشِ محبت ہے مرتسم
دستِ زمانہ اس کو مٹا دے محال ہے

تنہائیٔ فراق بھی ہے جنت نظر!
خلوت ہے، خامشی ہے اور ان کا خیال ہے

ایجاد ہو ستم کے لئے کوئی طرزِ نو
اے آسماں یہ چال تو دیرینہ چال ہے

بن بن کے مٹ رہے ہیں اثر نقشِ آرزو
اپنی حیات ایک طلسمِ خیال ہے

قطعات تاریخ رحلت سراپا حسرت

خان بہادر میر ابراہیم حسین صاحب مرحوم و مغفور رئیس عظیم آباد

ازحضرت مبارک عظیم آبادی

قطعہ اوّل

چل بسے وہ خان بہادر میر ابراہیم آہ
اٹھ گیا جان عظیم آباد تھا جو وہ رئیس

قدرداں ذی ہنر، سرمایہ دارِ علم و فن
لکھتے تھے انگلش قلم برداشتہ اردو سلیس

ام۔اے۔ اسکول ان کے نظم میں پھولا پھلا
جھوم کر آئیں بہاریں گل کھلے کیا کیا نفیس

حالت مالی بھی ہے اسکول کی حسبِ مراد
یعنی چندے بڑھ گئے، لڑکے بڑھے، افزوں ہوئی فیس

اعلیٰ پیمانے پہ توسیعِ عمارت بھی ہوئی
اب تو بلڈنگ اور کچھ ہے یہ نہیں اپنی بیس

خوبیِ تعلیم کی یہ مستند اسناد ہیں
میٹرک کے امتحانوں کے نتیجے ہیں نفیس

اس طرح سلجھائیں الجھی گتھیاں اسکول کی
جس طرح اصلاح سے تحریر گنجلک ہو سلیس

کہتا ہے اردو کتب خانہ زبانِ حال سے
تو مرا بانی ہے اے میرے کرم فرما رئیس

چارۂ بیچارگی تھے، حامیِ بیچارگاں
دستگیرِ بیکساں تھے، دردمندوں کے انیس

خیر کا بدلہ جزا اے خیر دے آمرزگار
قصرِ جنت۔ جام کوثر، حور و غلماں ہم جلیس

نوحہ خواں ہے یوں مبارک بہرِ تاریخِ وفات
ہائے ہے! جانِ ریاست وہ عزیزِ دل رئیس

۱۳۶۰ھ

قطعۂ دوم

موت اس دن کو یہ وہ دن ہے عظیم آباد آہا — سوگوار خاں بہادر میر ابراہیم ہے
اُس محبت قوم و ملت نے قضا کی ہائے ہائے! — سوگ بھی اس محترم کا واجب التعظیم ہے
اِن کی جیتی نیکیاں اِن کے لئے مخصوص تھیں — یادگار اب اِن کی یہ تخصیص یہ تعمیم ہے
دوستوں پر لطف۔ دشمن سے مدارا یہ شعار — دوست کیا دشمن کو بھی یہ تو ہیں تسلیم ہے
ام۔ اے۔ اے اسکول کے وہ ناظم خوش نظم تھے — ق — کہہ رہی یہ ام۔ اے۔ اے اسکول کی تنظیم ہے
ان کے زیر بار منت طالبان علم و فن — ان کا ممنونِ کرم سررشتۂ تعلیم ہے
پہنچے جنت میں شبِ رحلت شبِ آدینہ تھی — خاتمہ بالخیر بخشائش کی خود تقویم ہے
خان بہادر مسند آرائے جناں جنت میں ہیں — بات میں حوروں کے جام کوثر و تسنیم ہے

سالِ رحلت ہے مبارک حسبِ حسنِ خاتمہ
واہ رے! جنت مقام میر ابراہیم ہے

۱۳۶۰ھ

قطعۂ سوم

رئیس خاندانی۔ خاں بہادر — قضا فرمود۔ ابراہیم نامش
سنینش بے سر اشباہ گفتم — جوارِ رحمتِ ایزد مقامش

۱۳۶۰ھ

قطعۂ چہارم

یادگار اگلے رئیسوں کی جو تھا وہ اٹھ گیا — خاں بہادر میر ابراہیم نے رحلت کی آہ
کیا کہیں کس مغتنم ہستی کو کھو بیٹھے ہیں ہم — معدن لطف و کرم۔ عالی ہمم۔ والا نگاہ
"قدرِ مردم بعد مردن" یہ مقولہ ہے بجا — دے طفیل مصطفےٰ نعم البدل بار الٰہ
یہ وہ ذاتِ مغتنم تھی جو پناہ قوم تھی — یہ وہ ہستی تھی خدا بخشے اسے ملت پناہ
تجھ پہ رحمت چننے والے چن دیا بیت النعیم — دی خدا نے تیرے ہاتوں بے پناہوں کو پناہ

(سید ... ۱۳۶۰ھ)

شائقین لنگی توجہ فرمائیں
رنگ کی پختگی، ڈیزائن کی خوشنمائی، ارزانی کے باوجود پائیداری میں
بے مثل ہے۔ آپ کو اس بات پر ضرور آمادہ کریگی کہ آپ ہمارے
کارخانہ کی بنی ہوئی لنگی ایک بار استعمال کریں خاصکر مولانا مارک
نیز ایس ایچ ڈبل پارٹ مولانا منگلپوری اشرفی مارک جھنڈا مارک
چیٹائی خانہ نہایت ہی عمدہ اور رنگ کی پختگی اور پائیداری میں
حاصل کی ہے۔ ایک بار تشریف لا کر یا مال منگوا کر ہماری
(کی آزمائش کیجئے)
المشتہر
کولمبو مولانا کمپنی لنگی مرچنٹ نمبر ٦٦
بورجیت پور روڈ
کلکتہ